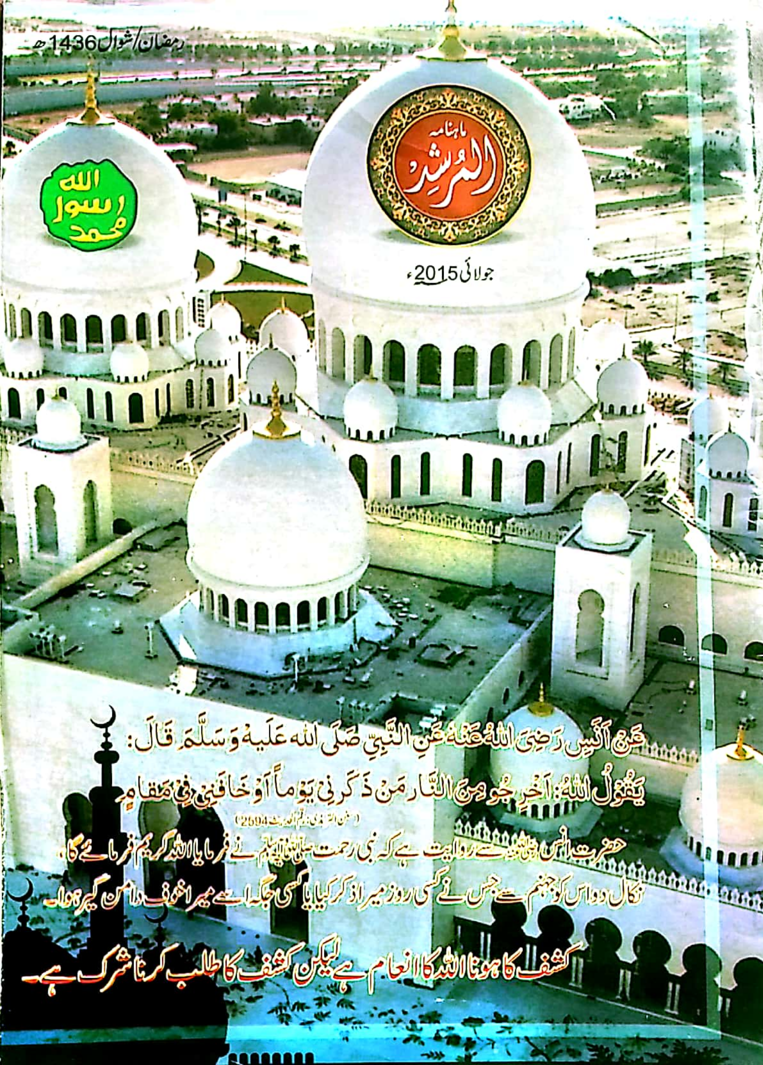
رمضان/شوال 1436ھ
ماہنامہ
المرشد
جولائی 2015ء
الله
رسول
محمد
عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ:
یَقُوْلُ اللّٰہُ: اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَکَرَنِیْ یَوْمًا اَوْ خَافَنِیْ فِیْ مَقَامٍ
(سنن الترمذی، رقم الحدیث 2594)
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کریم فرمائے گا،
نکال دو اس کو جہنم سے جس نے کسی روز میرا ذکر کیا یا کسی جگہ اسے میرا خوف دامن گیر ہوا۔
کشف کا ہونا اللہ کا انعام ہے لیکن کشف کا طلب کرنا شرک ہے۔

تصوف

تصوف کیا ہے؟

قرآن کریم اللہ ربّ العالمین کا ذاتی کلام ہے اور اس کی بنائی ہوئی شاہکار مخلوق یعنی ''انسان'' کی ہر ضرورت، ہر کیفیت، ہر انسان روح اور بدن کا مرکب ہے اور دونوں اجزاء کی خصوصیات، اُن کی اہمیت اور مقام، اُن کی ضروریات اور تکمیلِ ضروریات، اُن کی صحت اور بیماری اور علاج، صرف خالقِ حقیقی ہی جان سکتے ہیں۔ قرآن کریم انسانی زندگی گذارنے کا Manual ہے۔ ''انسان'' کی فطرت اور اس میں رکھی بہت سی کمزوریوں کی نشاندہی بھی کرتا ہے اور یوم ازل سے لے کر یوم جزا تک کے مراحل کے لیے راہنمائی بھی فرماتا ہے۔ انسانی علوم کے ذرائع کی جب بات ہوتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ علم کے ذرائع تین ہیں۔ کان، آنکھیں اور دل۔ ان تین ذرائع سے انسان علوم حاصل کرتا ہے اور اللہ کی بنائی ہوئی کائنات میں اس کا نائب بننے کی ذمہ داری نبھاتا ہے۔ ہر بات جو کان سنتے ہیں، ہر نظارہ جو آنکھ دیکھتی ہے وہ قلب پر ایک اثر، ایک احساس مرتب کرتا ہے اور اس کی حالت ہر آن بدلتی رہتی ہے۔ چونکہ روح اصل انسان ہے، لافانی ہے، اللہ ربّ العالمین کی صفاتی تجلّی کا پرتو ہے لہٰذا حاکم ہے۔ اس کا مرکز یعنی قلب انسانی وجود کا بادشاہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق اگر یہ سدھر جائے تو سارا وجود سدھر جاتا ہے اور اگر یہ بگڑ جائے تو سارا نظام بگڑ جاتا ہے۔ اس قلب کے بگاڑ کا نام غفلت ہے۔

قرآن حکیم میں جہاں تباہ حال قوموں کی بات ہوئی، دوزخ جانے والے لوگوں کی بات ہوئی تو اس کا سبب غفلت بتایا گیا۔ ان کی خصوصیات ارشاد فرماتے ہوئے سب سے پہلے نمبر پر ''قلب'' کے شعور، ''تفقہ'' کو بروئے کار نہ لانا تھا۔ جب قلب ہی سے کام نہ لیا، تو کان سے سننا اور آنکھ سے دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا۔ یعنی حق سننا اور حق دیکھنا ممکن نہ رہا۔ بلکہ صرف چوپایوں کی طرح آنکھیں اور کان استعمال کیے ایسے لوگوں کے بارے أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (الاعراف: 179) یہ لوگ چارپایوں کی طرح نہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں یہی لوگ ہیں جو غلفت میں پڑے ہیں۔ اس لیے کہ چوپائے جس کام کے لیے پیدا کیے گئے اُسے پورا کرتے ہیں۔ زندگی گزارنے کے لیے جس حد تک شعور سے نوازے گئے ہیں، اُسے استعمال کرتے ہیں لیکن انسان کو ربّ العالمین کی معرفت کے لیے پیدا کیا گیا اور اس میں اللہ کریم نے روح پونکی۔ اس کو اپنے نائب کی حیثیت عطا کی۔ اور اس کے سینے میں اپنی ذات سے رابطہ رکھنے والا قلب دیا اور رابطے کا ذریعہ ذکرِ اسم ذات کو بنایا۔ اس قلب کی صحت اور درستگی کا نام ہے ''اطمینان'' کس کا ذریعہ صرف ذکر اللہ ارشاد ہوا۔ یہ مطمئن ہوگا تو تفقہ کے قابل ہوگا۔ صحیح فیصلے کرنے کی حالت میں ہوگا۔ اور اگر ذکر سے غافل ہو جائے تو علم حاصل کرنے کے ذرائع تباہ کردے گا۔ کان حق سننے سے بے زار ہو جائیں گے۔ آنکھیں حق پہچان نہیں پائیں گی۔ اور یوں تباہ ہو جائیں اور یہ سب اس لیے ہوگا کہ غفلت میں پڑے رہے۔

تصوف غفلت سے ہوشیاری کے سفر کا نام ہے۔ قلوب پر چھائی سیاہی کو ذکرِ اسم ذات سے دھو لینے کا فن ہے۔ اس فن کے ماہرین مشائخ کہلاتے ہیں ان کے قلوب اُن انوارات و کیفیات کے امین ہوتے ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے قلب اطہر سے مترشح ہوتی ہے۔ تصوّف انہی انوارات کو حاصل کرنے کا فن ہے۔ شیخ اسی فن کا ماہر ہے خود دل بینا اور منور قلب رکھتا ہے۔ شیخ کی نشانی یہ ہے کہ اس کی تربیت میں دل غفلت سے نکل کر اطمینان پاتے ہیں اور اس اطمینان کی نشانی ہے کہ دلوں ایمان سج جاتا ہے اور کفر اور نافرمانی سے نفرت ہو جاتی ہے۔ یہی رشد و ہدایت ہے اور ایسا شیخ ہی حقیقی مرشد ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ **المرشد**

PS/CPL#15

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

جولائی 2015ء رمضان / شوال 1436ھ

جلد نمبر 36 شمارہ نمبر 11

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرقِ وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 سٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقۂ ذکر		5
کلامِ شیخ	سیماب اویسی	6
اقوالِ شیخ	انتخاب	7
تصوف۔ یقین قلبی کا حصول	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	14
اکرم التفاسیر: الانبیاء: 70-51	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	17
سوال وجواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	28
یہ معاملہ بڑا نازک ہے	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	32
لیلۃ القدر، توبہ قبول ہونے کی دلیل	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	36
تکبر اور عجب کے علاج کے بیان میں	ترجمہ: فخر الدین صدیقی	41
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	45
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	47
مساعی جمیلہ		49
طب	حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا	51
AITEKAF AND ITS PROTOCO Translated Speech	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	52
A LIFE ETERNAL CH:24/25	Abul Ahmadain Translated: Naseem Malik	57

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ، ٹاؤن شپ، لاہور

Ph:042-35180381, Email:monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org/info

Ph:0543-562200, FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں اس دائرے میں اگر X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل
تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ...... وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (البقرہ:53-52)

مگر ہمارا احسان دیکھو کہ بایں ہمہ ہم نے تمہیں معاف کر دیا اور تمہاری خطا بخش دی کہ تم شکر کرو اور اللہ کا احسان مانو۔

نہ صرف معاف کیا بلکہ تمہاری خاطر موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی، ایک ایسی کتاب جو حق اور باطل میں فرق بتا دینے والی تھی عطاء کی کہ تم راہ ہدایت پا سکو۔ گویا نبی کو کتاب کا ملنا چونکہ اُمت کی ہدایت کے لیے تھا اور ان کے پاس ایک حق و باطل کی کسوٹی پہنچ گئی نیز سب کو کلام اللہ سے مشرف ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان سب احسانات کا شکر کس قدر واجب تھا۔ یہ اُمتِ محمدیہ ﷺ کو اس غرض سے بتایا جا رہا ہے کہ اُن کے پاس موسیٰ علیہ السلام تھے تو تمہیں محمد رسول اللہ ﷺ کا اُمتی ہونے کا شرف حاصل ہے، کتاب اللہ اپنی اصلی حالت میں تمہارے پاس محفوظ ہے اور یہی حق، باطل کا معیار ہے۔ جو لوگ، جو قوم، جو افراد جن عقائد و اعمال میں اس کے خلاف کریں گے وہ گمراہی ہو گی اور اس کا اتباع ہدایت۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ -------------- اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (البقرہ:54)

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے تمہیں تمہارے گناہ کی شدت سے آگاہ فرمایا اور تمہیں طریق توبہ بتایا۔

یہی منصب تصوف میں شیخ کا ہے کہ گناہ سے بے رغبتی دلائے اور توبہ کا طریقہ دل میں بٹھائے۔ فرق یہ ہے کہ نبی براہِ راست اللہ سے ہدایت لیتا ہے اور شیخ نبی کی اطاعت میں۔ جس شخص کی صحبت میں یہ شے حاصل نہ ہو اُس کی صحبت میں رہنا وقت کا ضیاع ہے اور گمراہی کا خطرہ الگ۔

لہٰذا اب اس ظلمِ عظیم کا علاج یہ ہے کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ جن لوگوں نے گوسالہ کو سجدہ کیا ہے انہیں وہ لوگ قتل کر دیں جو اس میں ملوث نہیں ہوئے تو مقتول کی توبہ منظور ہو جائے گی فرمایا فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اب تمہارا قتل ہونا ہی تمہارے لیے بہتر ہے اسی میں تمہاری بھلائی ہے اور یہ شرک کا داغ اب گردن کے خون ہی سے صاف ہو سکے گا۔ یہ طریق توبہ بعض گناہوں پہ ہماری شریعت میں بھی مقرر ہے جیسے قتل عمد کے بدلے قتل یا زنا کے بدلے پر رجم کہ یہ صرف توبہ سے ساقط نہیں ہوتے ہاں اگر معاملات رفت و گزشت ہو چکے ہوں اور بجز اللہ کوئی جانتا نہ ہو تو علاج توبہ کے سوا کچھ نہیں۔ یہ رحمت خاص ہے اُمت محمدیہ کے لیے اور کمال تصوف بھی یہ ہے کہ گویا قتل ہو چکا، نفس مارا جا چکا ہے اب شریعت کے سامنے ایسا ہو جیسا مُردہ بدست غسال، جدھر ہلائے اُدھر ہلے گا۔

صحبت پیغمبر کا کمال کہ دوری میں جو مبتلائے شرک ہو گئے تھے حضوری میں ایسے صاف دل بن گئے کہ قتل تک ہونا منظور کر لیا اور قتل ہوئے بہت کثرت سے قتل ہوئے تو پھر موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی۔ حکم ہوا کہ جو بچ رہے ہیں انہیں بھی معاف فرماتا ہوں اور جو قتل ہوئے انہیں شہادت سے سرفراز فرماتا ہوں۔ سو پھر تم پر متوجہ ہوا۔ بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

اداریہ

لیلۃ القدر

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰـرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ O فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ O اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرۡسِلِيۡنَ O

دینِ اسلام میں ہر بہتر ابتداء کے لیے ترغیب ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کی جائے۔ بے شک ہمارے اللہ پاک بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں اور جب علماء صفتِ رحیمیت پر بحث فرماتے ہیں تو اس سے صرف بندۂ مومن کا مستفیض ہونا فرماتے ہیں خواہ حال یعنی عالم خلق کی بات ہو یا ابدالآباد زندگی کی۔ اللہ پاک نے یہ کتنا بڑا احسان فرمایا ہم پہ کہ ہمیں آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کی اُمت میں پیدا فرمایا۔ ممکن ہی نہیں کہ اس کا شکر ادا کیا جا سکے مگر غیر شعوری طور پہ بھی جسم کا لُوں لُوں رب العالمین کا شکر ادا کرتا ہے کہ بندگی سے لے کر مالک کی ہر عطا تک ہر چیز صدقہ ہے محمدؐ رسول اللہ کا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب پہلی امتوں کے لوگوں کی عمروں پر توجہ فرمائی تو آپؐ کو اپنی امت کے لوگوں کی عمریں کم معلوم ہوئیں۔ آپؐ نے یہ خیال فرمایا کہ جب گذشتہ لوگوں کے مقابلے میں ان کی عمریں کم ہیں تو ان کی نیکیاں بھی کم رہیں گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو شب قدر عطا فرمائی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے (موطا امام مالک، ص:260)

حدیث شریف ہے مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور احتساب کے ساتھ (صحیح عقیدے، اللہ کی رضا کے لیے) اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

بے شک اللہ پاک کی رحمت ذرے ذرے پرور دہ ہوتی ہے وگرنہ تخلیق فنا ہو جائے اور بلاشبہ حدیث شریف کی روشنی میں یہ بھی ملتا ہے کہ اگر کسی بندۂ مومن کی زندگی بھر میں ایک تسبیح بھی قبول ہو جائے تو اللہ پاک (اس تسبیح کے سبب) اس کی بخشش فرما دیں گے مزید برآں اللہ پاک نے یہ احسان بھی فرما دیا کہ ہمیں رمضان المبارک عطا فرما دیا۔ حدیثِ قدسی الصوم لی وانا اجزی بہٖ گویا صلے میں ذات باری تعالیٰ نے اس حد تک قرب عطا فرما دیا۔ مہینوں کا سردار یہ مہینہ جہاں بے شمار رحمتوں، برکتوں اور عطاؤں کا حامل ہے وہیں اس میں ایک رات لیلۃ القدر کی بھی ہے کہ تمام راتوں کی سردار ہے۔ جس کی فضیلت کی گواہی کلامِ ذات باری تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور جس کی ترغیب دربارِ رسالت سے نصیب ہوتی ہے۔

آؤ! کہ ایک بار پھر ہماری زندگیوں کے دروازے پر رمضان المبارک دستک دے رہا ہے۔ بے شک اس کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا نہ صرف دوزخ سے برأت کا بلکہ لیلۃ القدر کا حامل بھی ہے۔ لفظ قدر کا ایک معنی مرتبہ کا بھی ہے یعنی بلند مرتبہ۔ وقت کے تقابل میں ارشادِ باری تعالیٰ میں ہزار مہینوں سے بہتر کا فرمان ہے مگر کیا ہم رمضان المبارک کی برکات کو زبانی کلامی دعوے یا محض رواجات کی نظر کر دیں گے یا ہمیں رمضان المبارک کے ماحصل میں یہ بھی خیال رہے گا کہ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ O اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ O

یہاں مجھے حضرت امیر محمد اکرم مدظلہ العالی کے ارشاد فرمائے ہوئے الفاظ کی گونج سنائی دے رہی ہے

''مانگنے کی چیز ہے کہ دلِ زندہ مانگو، دلِ پردرد مانگو۔ وہ دل مانگو جس میں آج بھی اُس کی ذات اور اس کی تجلیات برستی ہوں۔ وہ دل مانگو جس میں آج بھی عشقِ رسولؐ ہو۔ وہ دل مانگو جو آج بھی جمالِ مصطفویؐ کا طالب ہو۔ وہ دل مانگو جس میں شہادت کی آرزو ہو۔ وہ دل مانگو جو اس کے وصال کا طالب ہو۔ وہ چیز مانگو جو مانگنے والوں کو ملا کرتی ہے۔ وہ چیز مانگو جو وہ اپنوں کو دیتا ہے اور جسے دیتا ہے اُسے اپنا بنا لیتا ہے۔

نبی کریمؐ کے اِس ارشاد کہ لیلۃ القدر کو آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو، کی برکت ہے کہ ہر طاق رات لیلۃ القدر ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ دنیا کے کسی حصے میں کون سی طاق رات لیلۃ القدر ہے۔

اے میری قوم! ہم پہ حق صرف اپنی ذات اور اہل وعیال ہی کا نہیں بلکہ اس وطنِ عزیز پاکستان کا بھی ہے۔ 14 اگست 1947ء، جس روز اللہ کریم نے ہمیں یہ ملک عطا فرمایا اس شب 27 رمضان المبارک تھی اور دل گواہی دیتا ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والی، مدینہ منورہ کے بعد، یہ دوسری ریاست اور لاکھوں جانوں کا نذرانہ اللہ کے نام پر! بے شک وہ رات، شب قدر ہی ہوگی۔ کیا مَیں اور آپ اپنی ساری زندگی ذاتی مفادات ہی کے گرد گزار دیں گے!

یا اپنے اس وطنِ عزیز کہ جس کی تعمیر میں ہماری ہزاروں لاکھوں بیٹیاں، بیٹیوں کی عزت لگی ہے، کے حقوق کا بھی خیال کریں گے؟

آؤ! اس بحث سے نکل آئیں کہ کون کرے گا۔

اٹھو! مَیں اور آپ اپنے حصے کا کام شروع کریں

یا اللہ! اس رمضان المبارک کے صدقے، لیلۃ القدر کی رات عطا فرما۔ لیلۃ القدر کے صدقے ہمیں اپنے حبیبؐ کا حقیقی اتباع نصیب فرما۔ آمین۔

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔
ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔
شیخ المکرم مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقہ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ O أَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ O أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ O أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O پھر ذکر شروع کر دیں طریقہ نیچے درج ہے۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

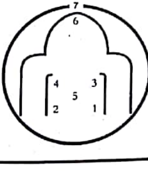

پہلا لطیفہ: مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے: کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت قلزم فیوضات حضرت العلاّم مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمہ مَن وخاتمہ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی بخیر گردان

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

کلامِ شیخ

شیخ المکرم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیماب اور فقیر۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

گردِ سفر	کون سی ایسی بات ہوئی ہے	نشانِ منزل
متاعِ فقیر	دل دروازہ	سوچ سمندر
آس جزیرہ		دیدہ تر

درج ذیل کلام ''کون سی ایسی بات ہوئی ہے'' سے لیا گیا ہے

غزل

ہم نے تو اپنے دل کو ترا گھر بنا دیا
اے عشقِ ناتمام تُو بد نام تو نہ کر

اے دل تری مراد ہے اپنی پہنچ سے دور
ممکن نہ ہو جہاں میں جو، وہ کام تو نہ کر

یہ حادثے ہیں، سوچ کے کرتا نہیں کوئی
کھائی ہے چوٹ تُو نے مرا نام تو نہ کر

کرنا ہو کوئی بات تو لیتا ہے ان کا نام
جو چاہے کر پہ نام کو بدنام تو نہ کر

آنکھوں میں بند وصل کی راتوں کا کیف ہے
بادِ صبا تُو آ کے مجھے رام تو نہ کر

اس شب کی یاد کا نشہ اترا نہیں ابھی
مجھ کو اسیر بادۂ گلفام تو نہ کر

سیمابؔ خوب ہجر سے جلتا ہے خون تک
لمحاتِ وصل کو بھی مرے نام تو نہ کر

اقوالِ شیخ

1۔ شکر کی اصل حقیقت یہ ہے کہ زندگی کا ہر عمل حضورِ اکرم ﷺ کی غلامی میں ڈھل جائے۔(اکرم التفاسیر جلد:13، صفحہ:206)

2۔ اسلام یہ ہے کہ شرحِ صدر ہو۔شرح صدر یہ ہے کہ جو ارشادِ باری بطفیل نبی کریم ملے اس پر کوئی چوں وچرا کی ضرورت پیش نہ آئے(المرشد، اپریل 2015ء، صفحہ:11)

3۔ یہ واضح حقیقت ہے کہ جتنا جس میں ایمان ہے اور جتنا مضبوط ہے اس کی زندگی اتنی ہی صاف ستھری ہے۔(اکرم التفاسیر، جلد:4، صفحہ:290)

4۔ نبی کریم ﷺ نے جہاں اللہ کا کلام پہنچایا وہاں اس کی کیفیات بھی بانٹیں، سب کو صحابیؓ بنا دیا(سالانہ اجتماع کا اختتامی بیان، 7 جون 2015ء)

5۔ دین سیکھنے سے مراد یہ ہے کہ امورِ دنیا کو دینی احکام کے مطابق انجام دیا جائے(المرشد، مئی 2015ء صفحہ:12)

6۔ اسمِ اعظم کا کمال یہ ہے کہ گناہ کڑوے لگنے لگتے ہیں۔(المرشد، مئی 2015ء صفحہ:12)

7۔ سزا سے مراد صرف ایذا دینا نہیں ہے بلکہ جس کو سزا دی جارہی ہے اس کی اصلاح مقصود ہے۔(تفسیر سورۃ النور، آیت:2)

8۔ یہ بھی عذابِ الٰہی کی عجیب صورت ہے کہ کوئی لمحہ سکون کا نصیب نہ ہو۔(تفسیر سورۃ النور، آیت:19)

9۔ ایمان کی بقاء اور ترقی کا مدار اعمالِ صالح پر ہے۔اگر اعمال میں کوتاہی ہوگی تو ایمان کو ضرور متاثر کرے گی اور کمزور پڑتا جائے گا۔(اسرار التنزیل، سورۃ طٰہٰ، آیات 105 تا 114)

10- جب رحمت نازل ہوتی ہے تو بندہ اندھیروں سے روشنی کی طرف سفر کرتا ہے۔(المرشد، مئی 2015ء)

11 وہ برکات جو قلوب سے قلوب میں آجاتی ہیں انھیں علمِ لدنی کہتے ہیں۔(المرشد، مئی 2015ء)

12 دنیا و آخرت کی کامیابیاں اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں(المرشد، دسمبر 2008ء صفحہ 36)

13۔ نیکی اور بھلائی مومن کے قلب کا خاصا ہوتی ہے۔(المرشد، دسمبر 2008ء صفحہ 39)

14۔ خالق اور مخلوق کے درمیان تعلق کا ذریعہ ہے(المرشد، جنوری 2012ء صفحہ 8)

15۔ قرآن کا موضوع ہدایت ہے(المرشد، جنوری 2012ء صفحہ 38)

سالانہ اجتماع کا ابتدائی بیان　3 مئی 2015ء

تصوف۔یقین قلبی کا حصول

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ O اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا O (الفتح:28)

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ O مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ۔

الحمد للہ! اللہ کریم نے دارِ دنیا میں مزید رہنے کی فرصت عطا کی۔ اپنا نام لینے کی توفیق بخشی۔ اپنی اطاعت کرنے کی اور اپنے نبی ﷺ کا اتباع کرنے کی سعادت بخشی اور ایک بار پھر ہم اس سالانہ اجتماع میں حاضر ہیں۔ اللہ کریم قبول فرمائے۔ ارشادِ باری ہے اور اللہ جل شانہٗ کا تعارف ہے۔ اللہ کیسا ہے، فرمایا: ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ۔۔۔ اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اس جملہ مبارکہ میں ایک قید لگ گئی ہے کہ اللہ کریم کو ویسا مانا جائے جیسا اس کا رسول ﷺ منواتے ہیں۔ یوں تو دنیا میں کوئی ایسا فرد آپ کو نہیں ملے گا جو کوئی ایسی طاقت کو نہ مانتا ہو جو سب پر غالب ہو، اور رسائی سے بالاتر ہو لیکن وہ اسے اپنے انداز میں مانتے ہیں۔ اپنی مرضی سے اس طاقت کا کوئی نام رکھ لیتے ہیں، اس کی عبادت کا کوئی طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔ آپ انسانی تاریخ کو دیکھیں تو لوگ جنگلوں میں، ویرانوں میں بھی رہے، تعلیم و تعلم سے نا آشنا رہے، تہذیب سے نا آشنا رہے، لباس تک سے نا آشنا رہے، لیکن دنیا کے کسی کونے میں کوئی فرد کسی مذہب سے نا آشنا نہیں رہا۔ جنہیں ہم غیر مہذب کہتے ہیں انہوں نے بھی مذہب کے نام پر کچھ نہ کچھ رسومات بنا رکھی ہوتی ہیں۔ یہ ایک فطری خانہ ہے ہر انسان کے دل میں اس کے ضمیر میں، اس کے باطن میں کہ وہ کوئی نہ کوئی مذہب، کوئی نہ کوئی غیبی طاقت چاہتا ہے جس سے وہ مدد چاہتا ہے، جس سے وہ تحفظ چاہتا ہے، جو اس کے کام کرتا ہے، اس کی مشکلات آسان کرتا ہے۔

لیکن پھر یہ سارے مذاہب باطل کیوں ٹھہرے، یہ سارے کو کفر کیوں کہا گیا؟ اس لیے کہ اللہ کو ایسا مانا جائے جیسا وہ ہے، تو یہ اسلام ہے، اپنی پسند سے مانا جائے تو یہ اسلام نہیں ہے۔ اللہ کیسا ہے؟ اس کی ذات تو انسان کی رسائی سے بالاتر ہے انسان کیسے اسے پہچانے گا؟ فرمایا، اس کی صفات سے پہچانا جائے۔ اور وہ صفات کیا ہیں جو اللہ نے رسول ﷺ سے کہلوایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اور رسول ﷺ کو کیا نعمت عطا فرمائی؟ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ۔۔۔ ھُدٰی اور دین حق۔ ہر کام کے کرنے کے صحیح طریقہ کو عربی میں ھُدٰی کہتے ہیں کسی بھی کام کے کرنے کا جو صحیح طریقہ ہوتا ہے اسے ھُدٰی کہتے ہیں۔ دنیا میں زندگی گذارنے کے لیے کام تو ہر شخص کو کرنا پڑتے ہیں جو صحیح طریقہ جانتا ہے وہ سارے امورِ زندگی بڑے آرام سے اور آسانی سے کر لیتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ بہت سی مشکلات کا سامنا کر کے کرتا ہے۔ بہت سی تکلیفیں اٹھا کر کرتا ہے۔

ہر کہ دانا کند کند نادان
ولیک بعد از خرابی بسیار

جو دانا کرتا ہے، بیوقوف بھی کرتا تو وہی ہے۔ دانا آرام سے کرتا ہے، نادان ذلت و خواری سے کرتا ہے۔ زندگی دانا کی بھی گزر جاتی ہے، بیوقوف کی بھی گزر جاتی ہے۔ دانا سلیقے سے بسر کرتا ہے، بیوقوف ذلت و خواری سے بسر کرتا ہے، بسر دونوں کی ہو جاتی ہے۔

تو رسول اللہ ﷺ کو اللہ کریم نے ھُدٰی یعنی دینِ حق عطا فرمایا اور دین حق اللہ کو ماننے کا صحیح سلیقہ، اللہ کی اطاعت کا صحیح طریقہ، زندگی کے ہر کام کرنے کا صحیح طریقہ ہے۔ اس صحیح طریقے میں یہ نہیں کہ دنیا میں صرف آسانی ہو۔ یہ دینِ حق بھی ہے، اللہ اتنا کریم ہے کہ دنیا میں ہمیں زندگی بسر کرنی ہے، روزی کمانی ہے بچے پالنے ہیں، والدین کی خدمت کرنی ہے، یا ملک، حکومت، قوم یا بین الاقوامی سطح پر کام کرنا ہے، فرمایا ضرور کرو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان حدود کے اندر صحیح سلیقے سے کرو۔ پھر اس کا کرم دیکھیے کہ فرمایا یہی دنیا کے کام اگر تم صحیح کرو گے اور میرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرو گے تو اس پر تمہاری ابدی زندگی اور آخرت بھی تعمیر ہوگی، اس کے لیے الگ تکلف کی ضرورت نہیں۔ اس لیے آپ نے دیکھا، یہ بوڑھا آسمان گواہ ہے کہ جب وحی نازل ہوئی روئے زمین پر اسے جاننے اور ماننے والی صرف ایک ہستی تھی محمد رسول اللہ ﷺ۔

کیسی عجیب بات ہے کہ پوری دنیا میں ایک خبر ایک اللہ کے بندے ﷺ کے پاس پہنچے اور روئے زمین پر اقوامِ عالم اس کا انکار کرنے کو تیار کھڑی ہوں۔ بڑے بڑے دانشور، بڑے بڑے فلاسفر، بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ، بڑے بڑے حکمران، بڑے بڑے لیڈر، ہر طرح کے لوگ کہیں کہ یہ نہیں ہوسکتا لیکن اللہ کے اس بندے کو اتنا یقین ہو کہ ان سب کی باتوں کو رد کر دے۔ تو یہاں سے پتا چلتا ہے کہ دین کے دو حصے ہیں، ایک حصہ ہے جو ظاہر علم آپ تک پہنچتا ہے آپ اسے قبول کرتے ہیں، لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ جس نے قبول کرلیا وہ مسلمان ہے اور ایک مسلمان کے جتنے حقوق ہیں وہ اسے حاصل ہیں۔ دوسرا حصہ وہ تیقّن ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہے کہ یہ بات حتمی اور آخری بات ہے، یہ دو حصے ہیں۔ ایک حصہ ہے بات کو سننا جاننا، دوسرا ہے اس پر حق الیقین۔ کتنے لوگوں نے انکار کیا، کتنے لوگوں نے تردید کی، بڑے بڑے جلسے ہوئے مکہ مکرمہ میں، کتنے دانشور جمع ہوئے، کتنے لوگوں نے حضور ﷺ کو راہ سے ہٹانے کی کوشش کی، کتنی چیزیں پیش کیں۔ کہا آپ کو حکومت دے دیتے ہیں، دولت جمع کر کے دے دیتے ہیں، غرض دنیوی کشش رکھنے والی جتنی چیزیں تھیں سب کی پیشکش کردی۔ کیسا خوبصورت جواب حضور ﷺ نے فرمایا! کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دو ایک پر سورج، میں پھر بھی یہی کہوں گا کیونکہ یہی حق ہے۔ دنیا کی دولت یا اقتدار تو تم دے سکتے ہو، سورج چاند تو تم نہیں لا سکتے، اگر تم وہ بھی لا کر رکھ دو میں پھر بھی یہی کہوں گا کہ یہی حق ہے۔ یہ تیقّن کہاں سے آئے، یہ اعتماد کہاں سے آئے۔

الحمدللہ! ہم جدی پشتی مسلمان ہیں، ہمارا قبیلہ اعوان جو ہے یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریمؓ کی نسل سے ہے۔ حضرت علیؓ اللہ کا وہ بندہ جسے بچپن ہی میں وحی پر ایمان نصیب ہوا۔ تو اتنے عرصے سے ساڑھے چودہ سو سال سے ہم، ہمارے باپ دادا سارے کلمہ گو چلے آئے ہیں لیکن ہم سے آج بھی پوچھا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ یار کہتے تو ہیں آخرت تو ہوگی قیامت ہوگی، دیکھا جائے گا کیا ہوگا؟ وہ جو ٹھوس یقین ہے وہ نہیں ملتا۔ یہاں اسلام کی آمد کے بعد جو اقوام مسلمان ہوئیں ان کو بھی تو صدیاں بیت چکی ہیں۔ یہاں پہلی صدی میں ہی اسلام آ گیا تھا، صحابہؓ کے عہد میں اسلام آ گیا تھا۔ جتنے مسلمان یہاں بستے ہیں چودہ صدیاں تو سب کو ہوگئیں۔ لیکن وہ یقین سینوں میں تلاش کرنے نکلیں تو وہ نہیں ملتا، اگر وہ یقین ہوتا تو ہر برائی سے روک دیتا، وہ یقین ہوتا تو جھوٹ بولنے سے روکتا، وہ یقین ہوتا تو حرام کھانے سے روک دیتا، جہاں جتنا ہے اتنا روک دیتا، یہ یقین کہاں سے آئے؟

یہ دو نعمتیں تقسیم ہوتی ہیں آقائے نامدار ﷺ سے، تعلیماتِ نبوت: کلمہ طیبہ سے لے کر زندگی کے ہر مسئلے کا حل، قرآن کریم حدیثِ پاک یہ کیا ہے؟ سب تعلیماتِ نبی کریم ﷺ ہیں۔ اس کے ساتھ ایک شعبہ اور ہے برکاتِ نبوت۔ جو برکاتِ نبوت ہیں وہ یقین اور تیقّن، جو ان تعلیمات پر بندے کو قائم کردے اور وہ کہے کہ یہ یقیناً ہونا ہے اور زندگی اس کی تیاری میں بسر کردے۔ اسے تصوف کہہ لیں طریقت کہہ لیں، یہ کوئی دین سے الگ چیز نہیں ہے انہی تعلیمات پر یقینِ قلبی حاصل کرنا تصوف ہے۔ کسی کشف کا نام تصوف نہیں ہے، الہام والقاء کا نام تصوف نہیں ہے، کسی کرامت کا نام تصوف نہیں ہے، کسی کے کام آنے کا

نام یا کسی کو دعا دینا یا کسی کی اولاد ہونے کے لیے دعا کرنا یہ تصوف نہیں ہے۔ تصوف کیا ہے؟ تعلیماتِ نبوت پر یقینِ کامل کا حصول، یہ یقین یہ کیفیت دل کی ہے، اس لیے ایمان کی شرط میں بھی ہے کہ اقرارٌ باللسانِ وتصدیقٌ بالقلب، زبان سے اقرار اور قلب سے تصدیق، تب ایمان ہے۔

اب تصدیق قلبی کا تو ہمارے پاس کوئی معیار نہیں ہے۔ جو زبانی کلمہ پڑھتا ہے ہم اسے مسلمان سمجھتے ہیں۔ لیکن آخرت میں محض زبان پہ فیصلے نہیں ہوں گے، کیفیاتِ قلبی بھی ساتھ دیکھی جائیں گی۔ یہ کہتا کیا تھا اور اس کے دل میں کیا تھا۔ وہ جو دل میں ہوتا ہے وہ کردار بن جاتا ہے، وہ جو زبان پہ ہوتا ہے وہ دعویٰ رہ جاتا ہے۔ یہ ایک اصول ہے کہ آپ جو بات زبانی کہتے ہیں وہ کردار بن جاتا ہے۔ کوئی اپنا باطن دیکھنا چاہے تو اپنا کردار دیکھے، اپنے رویے دیکھے، اپنا ذریعہ معاش دیکھے، اپنے خرچ کرنے کے انداز، اپنی زندگی کے اطوار کا موازنہ کرے کہ حضور ﷺ نے کس انداز میں جینے کا حکم دیا اور میں کس انداز سے جی رہا ہوں۔ تو جو دل میں ہوتا ہے وہ کردار بن جاتا ہے، جو زبان پہ ہوتا ہے وہ دعویٰ رہ جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی فضیلت کیا ہے؟ صحابیت بہت بڑی عظمت ہے اور نبوت کے بعد عظیم ترین درجہ صحابیت ہے، جہاں صحابیت کی چھت آتی ہے یا انتہا آتی ہے وہاں سے نبوت کا مقام شروع ہو جاتا ہے۔ صحابہ کو صحابیت کے لیے کتنے پاپڑ بیلنے پڑے، کتنی مشقتیں کی گئیں؟ نبی اکرم ﷺ کی صرف ایک نگاہ نے سب مسلمان مرد عورت بچے کو صحابیؓ بنا دیا۔ صحابیؓ کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے صرف تعلیم حاصل نہیں کی، وہ یقین بھی حاصل کر لیا جو محمد رسول اللہ ﷺ کے قلبِ اطہر میں ہے اور جس درجے کا یقین صحابیؓ کو میسر ہوا، وہ غیر صحابی کو میسر نہیں ہوا۔ کیفیات کی بات ہے، قلبی کیفیات کی۔ اب جو درجہ نگاہِ پیغمبر ﷺ سے نصیب ہوا اس کے علاوہ کسی دوسرے ذریعے سے تو نصیب نہیں ہو سکتا تو صحابیؓ صرف صحابہؓ کیوں ہیں؟ کیونکہ انہیں صرف تعلیماتِ نبوت نہیں پہنچیں برکاتِ نبوت بھی بدرجۂ اتم پہنچیں، اور انہیں ارشادِ باری کے ایک ایک لفظ، ایک ایک کلام پر پورا یقین حاصل ہوا۔

کیسے عجیب لوگ تھے! لمبا واقعہ ہے میں مقصد کی بات کے درمیان بیان کر رہا ہوں۔ مشرکین نے کچھ صحابہؓ کو دھوکے سے بلا لیا اور پکڑ کر انہیں شہید کر دیا۔ اس واقعہ کا حضور ﷺ کو بڑا رنج ہوا لیکن ایک صحابیؓ کا قاتل بارگاہِ نبوی ﷺ میں آیا۔ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ انہیں شہید کرنے کے بعد قاتل بارگاہِ نبوی ﷺ میں آیا اور اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں ان قاتلوں میں سے ہوں جنہوں نے آپ ﷺ کے صحابہؓ کو شہید کیا ہے لیکن جس بندے کو میں نے شہید کیا ہے۔ میں نے اسے نیزہ مارا تو اس کے سینے کے پار ہو گیا اور اس کے آخری الفاظ یہ تھے فزت بربّ الکعبہ۔ مشرکین عرب بھی اپنے انداز میں بیت اللہ کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے اور ربِّ کعبہ کو بھی اپنے انداز میں مانتے تھے۔ اس کے پاس یہ تصور نہیں تھا کہ ایک شخص عین مرتے وقت آخری جملہ جو کہے اور ربِّ کعبہ کی قسم کے ساتھ کہے وہ جھوٹ نہیں کہہ سکتا ہے۔ اس نے کہا سچ یہی ہے، لیکن یہ فلاسفی میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ تو ہار گیا وہ قتل ہو گیا لیکن وہ کہتا ہے میں جیت گیا۔ وہ کیسے جیت گیا؟ اور یہی بات اس کے اسلام لانے کا اور شرفِ صحابیت سے سرفراز ہونے کا سبب بن گئی۔

آپ صحابیؓ کے یقین کی کیفیت دیکھیں کہ میدانِ کارزار میں سینے سے نیزہ پار ہو گیا، آخری لفظ یہ نکلے کہ ربِّ کعبہ کی قسم میں جیت گیا، میں شہید ہو گیا، میں اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہو کر پہنچ گیا، یہ قلبی یقین تھا۔ یقین کمزور ہوتا تو کہتا ہائے میں مارا گیا۔ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق یہ قلبی یقین حاصل کرنا صحابہؓ سے تابعینؒ، تابعینؒ سے تبع تابعینؒ اور تبع تابعینؒ سے آج تک اور قیامت تک اللہ کے خاص بندے یہ حاصل کرتے جائیں گے اور یہ جو سینے کی کیفیات ہیں یہ صفحہ قرطاس سے منتقل نہیں ہوتیں، یہ دلوں سے دلوں تک سفر کرتی ہیں۔ ان کے لیے کوئی لفظ وضع نہیں کیا گیا، کوئی قلم نہیں بنا جو انہیں لکھے، کوئی کاغذ نہیں بنا جن پر لکھی جائیں۔ ان کے لیے واضع نے کوئی الفاظ وضع نہیں کیے، یہ کیفیات ہیں محسوس کی جا سکتی ہیں، بیان کرنا مشکل ہے، لکھنا پڑھنا مشکل ہے۔ تو

جن لوگوں نے یہ کیفیات حاصل کیں وہ اولیاء اللہ کہلائے، صوفی کہلائے۔ ان میں کچھ ایسے تھے جنہوں نے آگے بھی تقسیم کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ہر صوفی شیخ نہیں ہوجاتا، حاصل کرنا ایک بات ہے ،اسے تقسیم کرنا دوسری بات ہے۔ کتنے پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں جو آگے پڑھا نہیں سکتے، جو پڑھا سکتے ہیں وہ شیخ ہوتے ہیں۔ جن کو اللہ یہ توفیق دیتا ہے کہ یہ کیفیات تقسیم بھی کریں، انہیں شیخ کہتے ہیں اور یہی تصور ہے پیر کا کہ وہ یقین جو بارگاہ رسالت ﷺ سے تقسیم ہوتا ہے پیر صاحب ہمارے دل میں بھی پیدا کردیں، اگر یہ نہ ہو تو پھر پیری مریدی کی ضرورت نہیں ہے۔

اولادیں دینا یا رزق دینا یا نوکریاں دینا، یہ پیروں کے کام نہیں ہیں۔ یہ جس کی مخلوق ہے جس نے پیدا کیا ہے یہ سارے کام اس کے ہیں۔ جنگل میں جانوروں کو بچے کون دیتا ہے؟ مغضوب ترین جانور خنزیر ہے، سب سے زیادہ بچے اسی کے ہوتے ہیں۔ اسے کون دیتا ہے؟ بدترین جانوروں میں سے خنزیر ہے، نجس العین ہے جس کا کوئی جزو استعمال کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے، ہڈیاں کھال ہر چیز ناپاک ہے۔ خنزیر پر مزدوری کرنا، خنزیر چرانے پر نوکری کرنا، ان کو گاڑی پر لاد کرلے جانا یہ بھی حرام ہے۔ اس کا ہر حوالہ حرام ہے، اس کے اٹھارہ اٹھارہ بیس بیس بچے ہوتے ہیں۔ اسے بچے کون دیتا ہے؟ وہ دیتا ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ انسانوں کو اس نے انسانوں کا محتاج کردیا ہے کہ وہ تعویذ لیں گے تو بچے ہوں گے، ایسی بات نہیں ہے۔ یہ سب اس کے اپنے کام ہیں پیر کا بوجھ سر پر لادنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں! وہ شیخ ہوسکتا ہے جو ہمارے دل میں بھی یہ یقین منتقل کردے، ہمیں دین پر، قرآن پر، حدیث پر، آخرت پر ارشادِ باری پر، ارشادات نبوی ﷺ پر وہ یقین ہوجائے کہ موت آئے تو اس یقین پر ہم فخر کرسکیں کہ ہم جیت گئے۔ اللہ کریم نے اس کا ایک ہی راستہ سارے قرآن میں بتایا ہے، وہ ہے ذکرِ کثیر۔ ذکر دلوں میں استعداد پیدا کرتا ہے قبولیت کی۔ دلوں کو صاف کرتا ہے۔ برکات نبوت وصول کرنا ایک انعکاسی عمل ہے۔ آپ ایک شیشے سے سورج کی شعاعیں منعکس تو کرسکتے ہیں لیکن آگے بھی شیشہ ہوگا تو پھر وہ دگنی ہو کر چمکیں گی۔ پتھر ہوگا تو واپس نہیں آئیں گی۔ یہ چیزیں انعکاسی ہیں، شیخ کے دل سے طالب کے دل پہ آتی ہیں لیکن دل میں قبولیت کی استعداد ہونی چاہیے۔ اب پیر سے یہ امید رکھنا کہ میں ذکر کرتا ہوں مجھے کشف ہوجائے، وہ کرامت ہوجائے، یہ کوئی درست بات نہیں۔ ہاں کشف کا ہونا اللہ کا انعام ہے لیکن کشف کا طلب کرنا شرک ہے۔ عبادت صرف اللہ کی رضا کے لیے کی جائے گی اس کے علاوہ مقصد کوئی اور ہوگا تو وہ شرک ہوجائے گا اور کشف و کرامت بھی غیر اللہ ہے، اللہ نہیں ہے۔ اگر کوئی چلہ کشی کرتا ہے کہ مجھے کشف ہوجائے مشاہدہ ہوجائے تو وہ غیر اللہ کے لیے کررہا ہے۔ ہاں! اللہ کریم عطا کردیتے ہیں تو یہ اللہ کا انعام ہے اور عموماً ہر صوفی کو کچھ نہ کچھ نصیب ہوتا ہے۔ اگر کشف نہ ہو تو وجدان ہوجاتا ہے ادراک نصیب ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ از قسم ثمرات ہے اور ثمرات اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں، صوفی ان کا طالب نہیں ہوتا۔ طالب رضائے باری کا ہوتا ہے، اور رضائے باری اس قلبی یقین میں ہے جس کا بندہ مکلف ہے۔ جتنا یقین ہوتا ہے اتنا عمل ہوتا ہے، اتنی رضائے باری نصیب ہوتی ہے۔ تو کوشش یہ کرنی ہے کہ مجھے وہ یقین حاصل ہوجائے۔ اس کا اصل مقصد یا اس مجاہدے کا سارا ماحصل وہ کیفیت ہے کہ تعلیماتِ نبوت پر یقین ہوجائے۔

ہمارے پاس اللہ کریم کا کلام بھی تعلیماتِ نبوت میں سے ہے، ہمیں نبی کریم ﷺ نے عطا فرمایا کہ یہ قرآن ہے۔ قرآن کی تفسیر بھی ہمارے پاس ارشاداتِ نبوّت حدیثِ پاک موجود ہے۔ اب جس چیز کے ہم محتاج ہیں ضرورت مند ہیں وہ ہے یقین جو کتابوں سے نہیں آتا، مضامین پڑھنے سے نہیں آتا، باتیں سننے تقریریں سننے سے نہیں آتا، وہ انعکاسی عمل ہے اور دلوں سے دلوں کو منتقل ہوتا ہے۔ دلوں کو منتقل کرنے والا دل اگر کامل بھی ہو تو قبول کرنے والے میں استعداد نہ ہو تو کیا فائدہ؟ اگر قبول کرنے والے میں استعداد ہے اور پیر صاحب ہی نقلی ہیں تو کیا فائدہ؟ دیکھنا یہ ہے کہ جسے میں پیر یا شیخ بنا رہا ہوں کیا اس کی مجلس میں مجھے کوئی ذرہ اس یقین کا ملتا ہے؟ مولانا رومی فرماتے ہیں:

چنیں مردے کہ یابی خاک او شو

اگر ایسا بندہ مل جائے جس سے یہ یقین دل میں پیدا ہوجائے تو اس کے پاؤں کی خاک بن جا۔

اسیر حلقۂ فتراکِ او شو

اس کی جوتیوں کا غلام بن جا پھر اسے مت چھوڑ کیونکہ یہ مقصدِ حیات ہے۔

تو اللہ کریم نے ہمیں توفیق دی ہے، ہم رات دن مجاہدہ کرتے ہیں، الحمدللہ! اس میں ہمیں یہ یقین تلاش کرنا ہے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق، جتنا اللہ کریم عطا کر دیں۔ کشف ومشاہدہ کسی کو ہوتا ہے تو پہلی بات تو یہ ہے کہ دین سارے کا سارا ہی کشف ہے لیکن کشف ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا، اللہ کے نبی کا کشف۔ وحی ساری کشف ہے، حضور ﷺ کے علاوہ کس نے دیکھی یا سنی؟ تو ساری باطنی کیفیات ہوئی ناں۔ تو یہ کشف ہے، اس کی تشریح ساری حدیث پاک کشف ہے۔ لیکن یہ کشف ہوتا ہے تو وہ حضور ﷺ کی شریعت حضور ﷺ کے کشف پر پیش کیا جاتا ہے، اس کے تابع ہے تو درست ہے، اس سے ٹکراتا ہے تو غلطی لگی ہے۔ غلطی اِس طرف ہے۔ کوئی کشف کوئی مشاہدہ اگر ہوتا ہے اور اس میں اگر خلافِ شریعت کوئی بات نظر آتی ہے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، ایک بات۔ دوسری بات یاد رکھئے کہ کسی کو کشف ہوتا ہے اور وہ شریعت کے مطابق ہے تو اس پر وہ عمل کرتا ہے تو وہ اس کی ذات کے لیے ہے۔ اس کشف والے کے علاوہ کوئی دوسرا بندہ اس کے کشف کو ماننے کا مکلف نہیں ہے، اگر اس کے کشف کو مانے گا تو گویا اس نے اسے نبی مان لیا۔ یہ ان لوگوں کے لیے عرض کر رہا ہوں کہ جن کو تھوڑا بہت کشف ہو جاتا ہے پھر لوگ ان کے گرد ہجوم کر لیتے ہیں، یہ مسئلہ ہے میرا وہ مسئلہ ہے۔ اگر آپ اس کا کشف مانیں گے تو آپ کا دین جاتا رہا، آپ نے ایک اور فرد کو نبی مان لیا۔ اور جس کو کشف ہوتا ہے وہ شریعت کے مطابق بھی ہے، وہ اس پر عمل نہ کرے تو ممکن ہے کوئی دنیا کا نقصان ہو جائے گناہ نہیں ہوتا، آخرت کا کوئی نقصان نہیں ہوتا، یعنی اتنا کم تر درجہ ہے ولی کے کشف کا کہ دنیا کا شاید اسے کوئی نقصان ہو جائے آخرت کا نقصان نہیں ہوتا۔ اس لیے ہم سب مکلف ہیں دینِ حق پر عمل کے، خلوصِ دل سے عمل کے۔ یہاں تو شور یہ ہوتا ہے کہ کوئی خواب دیکھ لے کہ مجھے یہ خواب آیا ہے اس کی تعبیر کیا ہے؟ یار! دو لقمے کم کھا کر سو خواب کم آئیں گے۔ گلے گلے تک بھر کر سوؤ گے تو خواب آئیں گے۔

جب کشف کی یہ حیثیت ہے تو خواب کی کیا ہو گی؟ چنانچہ حضور ﷺ نے اصول بنا دیا۔ خواب کے لیے ارشاد فرما دیا کہ اچھا خواب آئے آنکھ کھلے تو الحمدللہ کہو، اللہ کا شکر ادا کرو اور بات ختم۔ کوئی برا خواب آئے تو لاحول ولاقوۃ پڑھ کر اپنی بائیں طرف تھوک دو، بات ختم، اس سے زیادہ خواب کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہمیں تو سارا دن یہ خوابوں والے چکر چلائے رکھتے ہیں، اتنے لمبے خط لکھتے ہیں میں نے یہ خواب دیکھا۔ میں نے وہ خواب دیکھا۔ ایک ساتھی کے بہت خط آتے تھے میں نے لکھا کہ یار تھوڑا سا کم کھا لیا کرو، روزانہ میرا سر بھی کھا گئے ہو، معدہ میں بخارات اٹھتے ہیں مختلف تصویریں ذہن میں بناتے ہو، تم آٹھ آٹھ صفحے کے خط لکھتے ہو، پھر نہیں آیا خط۔ آپ نے کھانا کم کر دیا یا لکھنا چھوڑ دیا ہے؟ بہر حال کچھ تو ہوا ہے۔

تو میرے بھائی آپ کا ٹارگٹ یہ ہے اجتماع میں، اللہ کریم توفیق دے پورا اجتماع نصیب فرمائے، کسی کو لمحہ مل جائے غنیمت ہے، دن، دو دن، چار دن، تو آپ کا ٹارگٹ یہ ہے کہ یقین کا کوئی قطرہ دل میں اتر جائے، جس نے وہ کیفیت پا لی وہ جیت گیا۔ اور یاد رکھیں! اللہ کی رضا کے علاوہ کوئی ٹارگٹ ہونا نہیں چاہیے، یہ یقین رضائے باری کا سبب ہے اس لیے یہ مطلوب ہے، بجائے خود مطلوب نہیں ہے۔ اللہ کے واسطے سے جس طرح جنت کو مانگنے کا حکم دیا گیا قرآن میں حدیث میں، تو جنت اللہ تو نہیں ہے لیکن اللہ کی رضامندی کی سند ہے، سرٹیفکیٹ ہے اللہ کی خوشنودی کا، اس لیے مانگی جاتی ہے۔ یہ یقین اللہ کی رضامندی کا سرٹیفکیٹ ہے، اور پوری عملی زندگی کو بدلنے کے لیے یہ یقین چاہیے۔ اپنے اندر یقین نہ ہو تو زندگی میں تبدیلیاں نہیں آتیں۔ جتنا ہو اتنی مثبت تبدیلیاں آجاتی ہیں، اور اس کو پرکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے کسی صاحب کشف سے پوچھنے کی ضرورت نہیں اپنے کردار کو دیکھو وہ آپ کو بتا دے گا کہ آپ کے اندر کتنا یقین ہے۔ چونکہ جتنا یقین ہوتا ہے اتنا کردار نکھرتا جاتا ہے، سدھرتا جاتا ہے، اتباعِ رسالت نصیب ہوتی چلی جاتی ہے، اور اسی کو فنا فی الرسول کہتے ہیں، بندے کی اپنی پسند کوئی نہیں، جو رسول اللہ ﷺ کو پسند ہے وہی اس کی پسند ہے۔ فنا فی الرسول کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اپنی رائے ختم ہو گئی اور ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ

کسی معاملے میں وہ ذاتی ہو، قومی ہو یا بین الاقوامی ہو آپ کی اپنی رائے ختم ہوجائے، آپ بارگاہِ رسالت ﷺ سے پوچھیں کہ اس کا کیا کرنا ہے پھر آپ اس پر عمل کریں۔ تو اس محنت، اس مجاہدے کا، اس مل بیٹھنے کا، اس سارے کام کا ماحصل یہ یقین کی دولت ہے۔ آپ قرآن کریم کہ اللہ کی کتاب ہے، حدیث شریف کا مطالعہ کر کے دیکھ لیجئے، لاکھوں کی تعداد میں احادیثِ مبارکہ ہیں سب یقین سے پُر ہیں۔ مشائخ کے ہاں اسی یقین کے حصول کے لیے جاتے ہیں۔ استاذی المکرم کی تقاریر اُس وقت ویڈیو تو تھا نہیں آڈیو تھا، تو وہ آڈیو کیسٹس پر موجود ہے، آپ کبھی حضرت جیؒ کی تقریریں سنیں آپ کو ایک ایک جملے سے یقین ٹپکتا ہوا نظر آئے گا یعنی جو کہہ رہا ہوں وہ یقینی ہے، سچ ہے اور یہ کہنے والے کے اندازِ تخاطب سے ٹپکتا ہے جھلکتا ہے۔

تو اس سارے مجاہدے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ہمیں وہ یقین کی قوت بھی دے، برکاتِ نبوّت میں سے بھی حصہ دے اور ہم اس یقین پر اس اعتماد پر، قلبی کیفیات پر زندگی ختم کریں، اور سرخرو ہو کر آخرت کو جائیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ایک قول ہے، وہ فرماتے ہیں آج قیامت قائم ہوجائے تو مجھے کوئی حیرت نہیں ہوگی۔ عجیب بات ہے ناں کہ دنیا فنا ہوجائے نئی دنیا بن جائے، مردے زندہ ہو جائیں، جنت دوزخ سامنے آجائیں، فرماتے ہیں مجھے حیرت نہیں ہوگی اس لیے کہ مجھے اس پر اتنا یقین ہے جتنا اس کو دیکھ کر یقین ہو۔ تو دیکھی چیز پر تو حیرت نہیں ہوتی۔ ایک چیز کو آپ نے دیکھ رکھا ہے حیرت نہیں ہوگی، فرماتے ہیں اگر آج قیامت قائم ہوجائے مجھے کوئی حیرت نہیں ہوگی، یقین کا وہ درجہ ہے جیسے ہر چیز بچشم خود دیکھی ہو۔ یہ مقصود ہے اور یہ حاصل کرنے کا نام تصوف ہے۔ دل کو اتنا صاف کرنا ہے، آئینۂ دل کو اتنا دھونا ہے اتنا چمکانا ہے کہ اس میں وہ یقین منتقل ہوجائے، آخرت پر، حساب کتاب پر، اللہ کی بارگاہ میں حاضری پر، عذاب وثواب پر یقین حاصل ہوجائے۔ اللہ کریم ہم سب پر رحم فرمائے، ہمیں محنت کی توفیق دے اور اس پر ثمرات مرتب فرمائے۔ ایمان پر زندہ رکھے، اسی یقین پر موت نصیب فرمائے، اللہ اپنے بندوں کے ساتھ ہمارا حشر فرمائے اپنی ناراضگی سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

بقیہ صفحہ نمبر 16 سے آگے

لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے مخصوص حلیہ بنایا جائے۔ خاص وضع کے لباس اور طرح طرح کی پگڑیاں وغیرہ بنا کر پہنی جائیں یعنی دکھاوے کے لیے ہتھکنڈے کیے جائیں۔ جو لوگ دین کے نام پر ریاکاری کرتے ہیں آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں۔ اہل اللہ اور صاحب حال اپنے اصل حال میں رہتے ہیں۔

مشائخ اس بات سے منع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رہن سہن ویسا ہی رکھو، کوئی حلیہ نہ بناؤ کہ میں بڑا نیک ہوگیا ہوں، پارسا ہوگیا ہوں۔ عجیب عجیب حلئے بنالینا، موتیوں کی مالائیں پہن لینا اور عجیب قسم کے کپڑے بنانا، فرمایا یہ ریاء ہے۔ دکھاوا ہے۔ اس سے مراد ہے کہ اس سے دولت بھی حاصل ہو، لوگ نیک سمجھیں اور حضرت فرماتے ہیں کہ یہ ریاء ہے یہ شرک ہے۔ اور حدیث شریف میں اس کو شرک اصغر کہا گیا ہے، چھوٹا شرک ہے اور قرآن نے ہر طرح کے شرک سے منع فرمایا لَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔

اب یہ جو لَا یُشْرِكْ ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا جائے اس میں یہ تخصیص نہیں ہے کہ بڑا شرک نہ کیا جائے اور چھوٹا شرک کیا جاسکتا ہے۔ نہیں! ذات وصفاتِ باری میں کسی طرح کا شرک نہ کیا جائے اور ریاء بھی شرک اصغر کی ایک قسم ہے۔ اللہ کو راضی رکھنے کی بجائے لوگوں کے لیے دکھاوا کرنا کہ لوگ دیکھیں اور مجھے نیک اور پارسا سمجھیں اور میرے پاس آئیں۔ تو فرماتے ہیں اللہ ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی رسوا کرتے ہیں، ان کی اصلیت کسی نہ کسی طرح کھل جاتی ہے۔ جبکہ انہیں توقع ہوتی ہے کہ ہم بڑے پارسا ہیں اور بڑے لوگوں کو ہم نے اکٹھا کر رکھا ہے اور دین کے نام پر رقص وسرور کی محفلیں کروا رہے ہیں جب آخرت میں جاتے ہیں تو جن باتوں کو وہ نیکی سمجھتے ہیں تو وہاں وہ جرم بن کر گلے پڑ جاتی ہیں۔ یعنی دنیا کا بھی خسارہ آخرت کا بھی خسارہ۔ سو کسی بھی عبادت میں خسارہ اسے ضائع کرنے کے لیے کافی ہے اور سالک کو تو ہر حال میں چاہیے کہ دکھاوے سے ہر صورت پرہیز کرے۔

سورۃ کہف

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

”سابقہ رسالے میں دی گئی تشریح سے آگے“

اس کے ساتھ فرمایا علماء و مشائخ کے ساتھ ادب کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ مقام و مرتبہ میں حضرت خضر موسیٰؑ سے کہیں کم تھے، وہ ایک ولی اللہ تھے اور وہ اولوالعزم رسول تھے لیکن چونکہ وہ ان سے کچھ سیکھنا چاہتے تھے تو انہوں نے اپنے سے کم تر بندے کا بھی ادب کیا۔ کچھ حاصل کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ ادب کرنا ضروری ہے۔

اور ان پر اعتراض نہ کرنا ان کے افعال و حرکات و اقوال میں جس کا ظاہر مفہوم معلوم نہ ہو کی تاویل کر لینا۔ فرمایا بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ شیخ کے لیے اس وقت ان کا کوئی جواز ہوتا ہے لیکن ہر بندے کو تو نہیں پتا ہوتا، تو اس پر اعتراض نہ کرنا چاہیے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بندہ سیدھا سیدھا اپنے کام سے کام رکھے۔ سیدھی سی بات ہے آپ شیخ سے ذکر سیکھنا چاہتے ہیں، مراقبات سیکھنا چاہتے ہیں، اگر آپ کی تربیت ہو رہی ہے الحمد للہ! باقی امور میں آپ کوئی محاسب نہیں ہیں۔ آپ نے شیخ کا حساب نہیں لینا کہ آپ اس پر تنقید کرتے رہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر شیخ پر آپ کو کوئی اعتراض آئے تو پھر اس کی تاویل کر لیں، سمجھ لیں کہ مجھے غلطی لگ رہی ہے۔ جو کچھ شیخ کہہ رہا ہے، یا کر رہا ہے اس کا کوئی جواز ہوگا۔ اور اگر ان کے خلاف کچھ ہو جائے تو اس کی معذرت کرنا، اور اگر کوئی بے ادبی کر بیٹھے تو اُسے چاہیے کہ فوراً معذرت کرے، یہ بڑا عجیب معاملہ ہوتا ہے۔ اگر بندہ بیٹھا ہوا وہاں بات کرتا ہے کہ یہ کام شیخ نے غلط کیا۔ شیخ کو پتا ہی نہیں ہوتا کہ اس بندے نے میرے خلاف بات کی ہے لیکن من جانب اللہ جو برکات اسے جا رہی ہیں وہ منقطع ہو جاتی ہیں، اُسے تب پتا چلتا ہے کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں رہا۔ تو اس کا علاج یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی غلطی کر بیٹھے تو پھر شیخ کے پاس جائے، معذرت کرے معافی چاہے تو پھر بحال ہو سکتا ہے۔

سفر میں خادم کو ہمراہ لینا:

موسیٰؑ نے یوشع علیہ السلام کو خدمت کے لیے ساتھ لیا۔ سفر میں خادم ساتھ رکھنا اس کا جواز ہے اگرچہ وہ سفر کسی بزرگ کی خدمت میں ہی ہو۔

سفر میں زادِ راہ لینا:

یعنی سفر میں کھانے پینے کا اہتمام کرنا یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔ بڑا نازک سا معاملہ ہے۔ کچھ لوگ اسباب پر ہی بھروسہ کر لیتے ہیں کہ یہ کام میں کروں گا تو مجھے یہ مل جائے گا، کچھ لوگ اسباب ترک کر دیتے ہیں۔ دونوں باتیں غلط ہیں۔ توکل نام ہے کہ اللہ نے جو اسباب پیدا فرمائے ہیں وہ اختیار کرے لیکن بھروسہ اللہ پر ہو کہ کام اللہ کے کرنے کا ہے۔ اسباب کیوں اختیار کر رہے ہو؟ اس لیے کہ اللہ نے اس کے کرنے کا حکم دیا ہے، یہ عبادت ہے، اسباب اختیار کر رہا ہوں یہ اللہ کی اطاعت ہے، یہ اللہ کی عبادت ہے۔ اللہ نے انہیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ جائز اسباب اختیار کرنا یہ اللہ کے حکم کے منافی نہیں بلکہ ضروری ہے، اور امید اور توقع اور بھروسہ اللہ پر رکھے۔

نسیان اور دیگر امور مکروہ کا شیطان کی طرف منسوب کرنا: جس طرح یوشع علیہ السلام نے کہا وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ کہ مجھے شیطان نے بھلا دیا میں آپ سے ذکر نہ کر سکا۔ تو جو غلطی ہو جائے اسے شیطان کی طرف منسوب کرنا اور اپنی کمزوری کا اقرار کرنا کہ شیطان نے یہاں مجھے دھوکا دے دیا یہ اچھی بات ہے۔ اور اپنی کوتاہیوں کو اللہ کی طرف منسوب کرنا خلافِ ادب ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں جو برائی ہوتی ہے تو ہم قدرت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، کہتے ہیں اللہ کا حکم ہی ایسا ہوگا۔ تو جب کوتاہی ہوتی ہے تو کہا جائے یہ کام میں نے کیا یا شیطان نے مجھ سے کروالیا، مجھ سے غلطی ہوگئی۔ جبکہ یہاں عادت لوگوں کی یہ ہے کہ جب کوئی غلطی کرتے ہیں تو کہتے ہیں ایسا ہی لکھا ہوگا، اللہ کو منظور ہوگا۔ قتل کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ کو منظور تھا۔ اللہ نے تو منع کیا ہے کہ کوئی کسی کی جان نہ لے۔ تو برائی کی نسبت اللہ کی طرف کرنا یہ برائی ہے، یہ گستاخی ہے۔ غلطی ہو جائے تو شیطان کی طرف نسبت کرے، یا اپنی کمزوری قبول کرے کہ مجھ سے شیطان نے یہ غلطی کروائی۔

اگلی بات جو اس سے ثابت ہوتی ہے کہ خضر علیہ السلام کام تو کرتے رہے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے، لیکن انہیں وہ بھید نہیں بتائے اور جب بتائے تو تعلیم بند کر دی۔ تو فرماتے ہیں شیخ کو حق حاصل ہے کہ شاگرد کو دیکھ لے، جس چیز کا وہ متحمل نہیں وہ چیز اسے نہ دے۔ اس کا یہ حق اس سے روک لے۔ ضروری نہیں کہ سارے مقامات سب کو کرائے جائیں، جتنی جتنی جس میں اہلیت ہے اس درجے پہ اسے رکھا جائے۔ متبوع کو طالب پر کچھ شرطیں لگا لینا، یعنی شیخ کو مرید سے، لینے والے کو فیض حاصل کرنے والے سے شرطیں لگا لینا جائز ہے۔

اور نسیان پر مواخذہ نہ ہونا یہ بھی درست ہے۔ اگر بھول چوک ہو جائے تو اس پر درگزر کرنا یہ درست ہے۔

حکم ظاہر پر ہونا جب تک کہ اس کے خلاف معلوم نہ ہو۔ ہمیشہ فیصلہ ظاہری حالات پر کیا جائے گا جب تک اس کے اندر کی باتیں معلوم نہ ہو جائیں۔ چنانچہ موسیٰؑ نے اسی بات پر ان امور میں اختلاف فرمایا۔

احتیاج کے وقت طعام کا سوال جائز ہونا جبکہ یہ شرعی حدود کے اندر ہو۔

اور احسان کو ترک نہ کرنا اگرچہ نااہلوں کے ساتھ ہی ہو۔ اگرچہ نا اہل ہو لیکن شیخ کو چاہیے اس کے ساتھ، یا مومن کو چاہیے اس کے ساتھ اپنا احسان کا رویہ ترک نہ کرے۔ جیسے گاؤں والوں کے ساتھ کہ اگرچہ انہوں نے کھانا دینے سے انکار کر دیا تھا خضرؑ نے ان کی دیوار درست کر دی، ان کے ساتھ احسان کیا حالانکہ وہ نااہل لوگ تھے اور انہوں نے کھانا دینے سے انکار کر دیا تھا۔

اعمال دینیہ پر اجرت لینا۔ دنیا کے جو کام کسی کے لیے کئے جاتے ہیں ان پر اجرت لینا جائز ہے۔ اس میں یہ چیزیں بھی آ جاتی ہیں کہ کوئی کسی کو بیماری کے لیے تعویز دیتا ہے اور اس پر اجرت لیتا ہے تو یہ دنیاداری کا کام ہے یہ جائز ہے۔ قرآن کریم اگر کوئی ختم کراتا ہے کہ بیمار کے پاس ختم پڑھوتا کہ اسے شفاء ہو جائے، تو یہ ایک دنیاوی کام ہے اس پر اجرت لینا جائز ہے۔ کوئی مکان بناتا ہے گاڑی خریدتا ہے اس پر کہتا ہے برکت ہوگی اس پر ختم پڑھ دو تو اس کے لیے اجرت لینا جائز ہے۔

لیکن میت کے ایصال ثواب کے لیے قرآن حکیم کے ختم کرنے پر اجرت لینا جائز نہیں۔ دنیاوی امور پر جائز ہے۔ اب اس پر اگر آپ کھانا دیتے ہیں تو پڑھنے والے نے کھانا کھا لیا اسے معاوضہ مل گیا، آپ نے جو کھانا دیا اس کے بدلے پڑھا لیا۔ ثواب نہ آپ کا، نہ اس کا، نہ مردے کو کچھ ملا۔ ادلے کا بدلہ ہو گیا۔ اس نے ختم پڑھا پیسے لے لیے، برابر ہے۔ اسے ثواب نہیں ملے گا اس نے اجرت لے لی۔ آپ نے کھانا دیا اس کے بدلے قرآن پڑھا دیا، آپ کو کھانے کا ثواب نہیں ہوگا، آپ نے اجرت پر کام کرا لیا۔ تو مردہ تو دیکھتا ہی رہ جائے گا۔ لہٰذا ایصال ثواب کے لیے اگر ختم

قرآن کرایا جائے، اس میں گھر سے کھا کر آئیں۔ اللہ کے نام پر پڑھیں اور واپس گھر جا کر کھائیں، اجرت بھی نہ لیں تب اس کا ثواب میت کو بخشا جا سکتا ہے۔ تو اگر ادلے کا بدلہ ہو گیا تو آپ کا کاروبار آپس میں برابر ہو گیا، میت کو کیا ملے گا؟

آلات اکتساب کے یا کسی ناکافی چیز کے مالک ہونے سے مسکنت کا باقی رہنا۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کاروبار ہو لیکن ناکافی ہو تو غربت باقی رہ سکتی ہے۔

غضب کا حرام ہونا: غصہ نہیں کرنا چاہیے۔

زمین میں مال دفن کرنے کا جائز ہونا: اس میں اس کا بھی جواز ہے کہ کسی کا اپنا مال ہے تو وہ کہیں نہیں رکھتا گھر میں دفن کر دیتا ہے تو اس پر کوئی شرعی اعتراض نہیں ہے۔ اور بہت سے فوائد میں پورا صفحہ تو حضرت نے لکھ دیا۔

مال وجاہ کا منافی کمال نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا (الکہف: 84)

ترجمہ: اور ہم نے ان کو روئے زمین میں حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان دیا تھا۔

''اس سے معلوم ہوا کہ مال کا حاصل ہونا حتیٰ کہ خزائن تک اور جاہ کا حاصل ہونا حتیٰ کہ سلطنت تک، کمال کے منافی نہیں۔''

فرماتے ہیں، ذوالقرنین کی بات جب اللہ کریم نے فرمائی۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا ولی تھے، یعنی ان کی نبوت کا تذکرہ بھی قرآن کریم میں نہیں ملتا اور جو حالات ان کے قرآن بیان کرتا ہے وہ بہت عجیب وغریب ہیں مثلاً یہی کہ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ ہم نے ان کو روئے زمین کا اختیار دے دیا تھا۔ بہت بڑی سلطنت دے دی تھی پھر روئے زمین پر کوئی ان کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔ تو پھر فرمایا وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا پھر دنیا کے سارے اسباب بھی ان کے پاس جمع کر دیئے۔ جنگ کے بھی، سفر کے بھی، امور سلطنت کے بھی، مال و دولت بھی، خزانہ بھی، جو کچھ ان کے پاس تھا اس وقت دنیا میں اور کسی کے پاس نہیں تھا۔ یہاں فرماتے ہیں کہ سلوک کا مسئلہ اس میں یہ ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ سلطنت کا حاصل ہونا حتیٰ کہ خزائن تک اور جاہ کا حاصل ہونا حتیٰ کہ سلطنت تک، کمال کے منافی نہیں ہے۔ یعنی دولت آ جانے سے ولی کی ولائیت ضائع نہیں ہوتی، حکومت آ جانے سے، بادشاہت مل جانے سے اس کے کمال میں کوئی اعتراض نہیں آتا۔ کامل ولی اللہ بھی امیر بھی ہو سکتا ہے، بادشاہ بھی ہو سکتا ہے۔

ریاء کی مذمت

قولہ تعالیٰ: اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (الکہف: 104)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی محنت سب گئی گزری ہوئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

''یہ مرائین (ریاکار) کو بھی عام ہے جیسا کہ اسرار القرآن میں ہے کہ بعضے ایسے لوگ ہیں جو خانقاہ میں اس لیے بیٹھتے ہیں کہ خلق کی نظریں ان پر پڑیں اور لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں۔ اور اہل دنیا ان کے دام فریب کا شکار ہوں۔ پس یہ لوگ دنیا میں تو اس طرح خسران میں پڑتے ہیں کہ فضیحت ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی حقیقت حال لوگوں پر ظاہر کر دیتے ہیں، اور آخرت میں ان کا خسران اس طرح ہے کہ بارگاہ حق سے مطرود ہوتے ہیں اور معذب ہوں گے۔ اور اسی طرح ارشاد وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا بھی ذم ریاء پر دال ہے کہ شرک عام ہے جلی کو اور خفی کو۔ ابن جبیر حسن سے اس شرک کی تفسیر ریاء سے منقول ہے اور حدیث میں ریاء کو شرک اصغر فرمایا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس نہی کے قبل عمل صالح کا امر فرمایا ہے۔''

اس بات کی مذمت ہے کہ دکھاوے کے لیے مختلف حیلے کئے جائیں۔ (بقیہ صفحہ نمبر 13 پر)

اکرم التفاسیر

سورۃ الانبیاء آیات 51 تا 70

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَالصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ
عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ
مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ
اور یقیناً ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اس (زمانہ موسوی) سے پہلے (اُن کی شان کے مطابق)
وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝51 اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ
ہدایت دی تھی اور ہم اُن (کے حال) سے واقف تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور
مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝52
اپنی قوم سے فرمایا کہ یہ کیا مورتیں ہیں جن (کی عبادت) پر تم جمے بیٹھے ہو؟ وہ کہنے لگے ہم
قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝53
نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔
قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝54
انہوں نے فرمایا یقیناً تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے۔
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝55
وہ بولے کیا آپ ہمارے پاس (واقعی) حق لائے ہیں یا آپ دل لگی کررہے ہیں؟
قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الَّذِيْ
انہوں (ابراہیم علیہ السلام) نے فرمایا بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا
فَطَرَهُنَّ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝56
پروردگار ہے جس نے ان کو پیدا فرمایا ہے اور میں اس بات کا گواہ ہوں۔
وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝57
اور اللہ کی قسم! میں تمہارے بتوں سے ضرور ایک تدبیر کروں گا جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔
فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ
توانہوں نے اُن (کے بتوں) کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا مگر ان کے ایک بڑے (بت) کو نہ
لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝58 قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ
توڑا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ کہنے لگے کہ ہمارے بتوں کے ساتھ یہ (حال)
اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝59 قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ
کس نے کیا ہے؟ یقیناً یہ تو کوئی ظالم شخص ہی ہے۔ لوگوں نے کہا ہم نے ایک نوجوان کو ان
يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝60 قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى
ان کی باتیں کرتے سنا ہے اُسے ابراہیم (علیہ السلام) کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس کو
اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝61 قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ
لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ گواہ رہیں۔ انہوں (بت پرستوں) نے کہا اے ابراہیم (علیہ السلام)!
هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝62 قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ
ہمارے بتوں کے ساتھ یہ کام تم نے کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا بلکہ یہ ان
كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝63
کے بڑے (بت) نے کیا ہوگا اگر یہ بات کرسکتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔
فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝64
سو انہوں نے اپنے دل میں سوچا پھر کہنے لگے درحقیقت تم لوگ ہی بے انصاف ہو۔
ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ
پھر (شرمندگی سے) سروں کو جھکالیا (اور بولے) یقیناً آپ جانتے ہیں یہ (بت) کچھ
يَنْطِقُوْنَ ۝65 قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
بولتے نہیں۔ انہوں نے فرمایا پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ
اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَ
تمہارا کچھ سنوار سکیں اور نہ تمہارا (کچھ) بگاڑ سکیں۔ تف ہے تم پر اور جن کو تم اللہ
لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝67
کے علاوہ پوجتے ہو ان پر بھی، سو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے؟ وہ لوگ (آپس میں کہنے لگے
قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ

کہ اگر تم کو (اپنے معبودوں کے بدلہ لینے کے لیے) کچھ کرنا ہے تو ان کو (آگ میں) جلا

اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ۞ قُلۡنَا يٰنَارُ

دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ ہم نے (آگ کو) حکم دیا اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور

كُوۡنِىۡ بَرۡدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ ۞ وَ اَرَادُوۡا بِهٖ

ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے سلامتی (کا سبب) بن جا۔ اور ان لوگوں نے ان کے ساتھ

كَيۡدًا فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَخۡسَرِيۡنَ ۞

مکر کرنا چاہا تھا پھر ہم نے ان ہی کو نقصان میں ڈال دیا۔

گذشتہ آیات سے اللہ کے نیک بندوں کا ذکر جاری ہے جو اللہ پر غائبانہ ایمان رکھتے ہیں اور جنہیں اللہ کے روبرو ہونے کا خیال ہے، روز حشر کا خیال ہے اور اُن کے دل میں اس کا خوف رہتا ہے۔ اُس کی تیاری کرتے ہیں، جرائم سے، گناہ سے پرہیز کرتے ہیں اور آخرت اور قیامت کی گھڑی سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ یہاں ابراہیم علیہ السلام کی مثال ارشاد فرمائی!

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ سارا معاشرہ ہی یہی کچھ کر رہا ہے تو میں اکیلا کیا کروں؟ چلو میں بھی ویسا ہی کرتا ہوں۔ لوگوں کے پاس یہ بہت بڑا عذر ہے۔ پوچھو کہ سود کیوں کھا رہے ہو؟ کہتے ہیں، جی سب کھا رہے ہیں سب لے رہے ہیں منافع کے نام پر۔ تو یہاں فرمایا گیا ہے کہ اہلِ حق کا شعار سب کے ساتھ رہنا نہیں ہے۔ اہلِ حق کا شعار حق کے ساتھ رہنا ہے۔ سب حق پر آجائیں، الحمد للہ! سب آجائیں، اللہ کا احسان ہے لیکن خدانخواستہ ایسا وقت آجائے کہ ساری آبادی، سارے لوگ حق کا ساتھ چھوڑ دیں تو اہلِ حق، حق پر رہتے ہیں۔ وہ سب کے ساتھ نہیں رہتے، وہ حق کے ساتھ رہتے ہیں۔ اللہ کریم نے یہ واقعہ ارشاد فرمایا: وَ لَقَدۡ اٰتَيۡنَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ رُشۡدَهٗ مِنۡ قَبۡلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيۡنَ (51) ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی عظمت کے مطابق ہدایت عطا فرمائی۔ جو اُن کے شایانِ شان تھی، وہ انہیں عطا فرمائی گئی۔ اور کس کی شان کے لائق کیا ہے، اور کون کس چیز کا مستحق ہے، کون کس چیز کا اہل ہے؟۔۔۔ اور کس کو کون سی نعمت ملنی چاہیے؟ ان سب باتوں کو ہم جانتے ہیں۔

اس میں ایک بہت بڑا مسئلہ تصوّف کا بھی حل ہو جاتا ہے کہ کوئی بندہ کسی کو کچھ نہیں دے سکتا، اللہ دینے والا ہے اور اللہ عالم الغیب ہے۔ وہ پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے۔ وہ طالب کی استعداد اور طالب کے خلوص کو جانتا ہے۔ جتنی جس طالب میں استعداد ہوتی ہے جتنا اس کا خلوص ہوتا ہے اس سے زیادہ ہی دیتا ہے، بلکہ خلوص ایسی چیز ہے جو استعداد کو بھی بڑھا استعداد دیتی ہے خلوص کو نہیں بڑھاتی، خلوص انسان کا فیصلہ ہے اللہ نے اُسے اختیار دیا ہے۔ جب وہ طے کر لیتا ہے کہ مجھے حق کے ساتھ رہنا ہے۔ اللہ کریم خود اُس کی استعداد بھی بڑھا دیتے ہیں۔ وہ کیا کہا تھا کسی نے ؎

تُو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی تھا

یعنی اگر تمہاری استطاعت کم ہے دامن تنگ ہے لیکن تم میں خلوص ہے تو اللہ کریم استطاعت بڑھا دیتے ہیں۔ فرمایا، ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے سیدھا راستہ دکھایا جو اُن کی شان کے مطابق تھا، جس طرح کا اُن کا خلوص تھا، جس طرح کے وہ اُس پر جم جانے والے تھے۔ پھر آگے وہ واقعہ ارشاد فرماتے ہیں۔ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيۡنَ۔۔۔ ہم نے اپنے علم پر یہ فیصلہ کیا۔ کسی کی سفارش نہیں تھی۔ کوئی بتانے والا نہیں تھا۔ کسی کی درخواست نہیں تھی کہ انہیں یہ دو۔ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيۡنَ۔۔۔ ہم تو ہر چیز کو خود جاننے والے ہیں۔

تو تصوّف کا بڑا مسئلہ اس میں حل ہو جاتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بعض لوگوں سے مجھے اُنسیت ہو جاتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے مراقبات ہوں۔ بعض کو میں جانتا نہیں ہوتا، وہ آتے ہیں، اُن کے مراقبات ہفتے میں ہو جاتے ہیں، وہ لے کر چلے جاتے ہیں۔ یہ بیٹھے رہتے ہیں۔ تو یہ فیصلے انسان کی اپنی طلب پر ہوتے ہیں۔ اس میں بھی اللہ کریم کے راز ہیں۔ ایک شخص برسوں بیٹھا رہتا ہے محنت کرتا رہتا ہے لیکن جب نتائج نکلتے ہیں تو جلدی پا جانے والوں سے کروڑوں گنا زیادہ وہ پا جاتا ہے، بہرحال یہ فیصلے اللہ کے ہیں۔ لیکن طالب کو خلوص چاہیے اور یہ فیصلہ اُس کا اپنا ہوتا ہے۔ اُس کے اپنے فیصلے

میں کمزوری ہوسکتی ہے۔ وہ کہے یہ بھی ہوسکتا ہے، یہ نہیں بھی ہوسکتا۔ محنت کروں نہ کروں، یہ ساری چیزیں اُس میں آ جاتی ہیں۔ جہاں خلوص ہوتا ہے، وہاں طے شدہ ٹھونکی ہوئی بات ہوتی ہے، یہ کرنا ہے۔

فرمایا، جب دنیا میں بندہ آنکھ کھولتا ہے ہوش سنبھالتا ہے، نیکی بدی اچھے بُرے کی تمیز ہوتی ہے تو بچے کے لیے دنیا کا بہترین مرد اُس کا باپ ہوتا ہے۔ جب وہ ہوش سنبھالتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے دنیا میں جتنے مرد ہیں اُن میں بہترین میرا باپ ہے۔ دنیا میں جتنی مائیں ہیں وہ سمجھتا ہے سب سے اچھی میری ماں ہے۔ ماں کی گود اور باپ کی شفقت اُس کی اُستاد ہوتی ہے۔ ماں کی گود اُس کا مدرسہ ہوتی ہے۔ تو بنیادی طور پر وہ وہیں سے سبق لے کر اُٹھتا ہے۔ گرتا ہے تو ماں اُٹھاتی ہے، بھوکا ہوتا ہے تو باپ روٹی لے آتا ہے۔ اُس کی مدد، اُس کا لباس، اُس کی دوا، اُس کی غذا، علاج سب وہ ماں باپ ہی ہر چیز کرتے رہتے ہیں۔ اُس کے سامنے سب سے پہلے وہ ہوتے ہیں۔ اُس کے سامنے دنیا میں اللہ کے بعد مخلوق میں سب سے بڑا سہارا ماں باپ ہوتے ہیں۔ فرمایا، جب ابراہیم علیہ السلام کا دل ہم نے روشن کر دیا تو انہوں نے باپ کو بھی دیکھا کہ یہ غلطی پر ہیں۔ اُن کے والد اچھے عہدیدار تھے۔ نمرود کے بت خانے کے انچارج تھے اور خود بت تراشا بھی کرتے تھے۔ یہ بھی فن تھا اُن کے پاس اور اُس بت خانے کے انچارج اور مذہبی سربراہ تھے۔ ریاست کے کوئی عام آدمی نہیں تھے۔

ہمارے حضرات نے یہاں یہ بھی اختیار کیا ہے کہ آبُ عربی میں چچا کو بھی کہتے ہیں اور درست ہے، کہتے ہیں تو یہ اُن کے والد نہیں تھے چچا تھے، تو میرا خیال ہے قرآن نے بڑی سیدھی بات کی ہے اللہ کریم نے فرمایا: اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ جب انہوں نے اپنے والد سے کہا۔ جو چیز بے تکلف اللہ نے بتا دی تو ہم کیوں اُس میں چالیس چلتے رہیں؟ چچا تھے کہ ماموں تھے۔ تحقیق کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ فرما رہا ہے اُن کے والد تھے تو کافی ہے۔ اور والد ہی پہلا سہارا ہوتا ہے۔ دنیوی اعتبار سے باقی معاشرے اور قوم کو تو چھوڑ وہ تو بعد میں آتی ہے، سب سے پہلے تو گھر میں والد ہے۔ تو جب انہوں نے والد کو دیکھا اور پھر باہر قوم کو دیکھا کہ ساری قوم بتوں کی پوجا میں لگی ہوئی تھی۔ اُن کا دین ایک عجیب ملغوبہ تھا۔ بادشاہ خود کو بھی خدا کہلواتا تھا۔ خود کو قوم سے سجدے کرواتا تھا پھر خود بتوں کی بھی پوجا کرتا تھا، قوم سے بتوں کی بھی پوجا کرواتا تھا اور ستاروں کو بھی پوجتے تھے۔ تو عجیب سا ملغوبہ انہوں نے بنا رکھا تھا اور جتنوں نے خدائی دعوے کیے ہیں وہ ایسے ہی تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ انسانی عقل بھی جب اندھی ہو جائے تو کتنی اندھی ہو جاتی ہے۔ فرعون خود کو سجدے کرواتا تھا اور کہتا تھا کہ ''میں تمہارا ربّ اور ہوں'' اگر کوئی ربّ ہے بھی تو سب سے بڑا ربّ میں ہوں۔ اس کے باوجود بت بھی بنوا رکھے تھے، اُن کے آگے خود بھی سجدے کرتا تھا۔ کمال ہے! تم خود خدا ہو پھر تم پتھروں کے آگے سجدے کیوں کر رہے ہو؟ تو یہ جو کُفر ہے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ یہ تضادات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ نمرود خود خدائی دعویدار بھی تھا، بتوں کی بھی پوجا کرتا تھا، خود قوم بھی پوجتی تھی تو ابراہیم علیہ السلام نے جب آنکھ کھولی ہوش سنبھالا تو گھر میں والد کو بھی دیکھا کہ وہ بھی بُت خانے کے سربراہ ہیں۔ قوم کو دیکھا ساری قوم بُتوں کی پوجا میں لگی ہوئی ہے تو اپنے والد اور قوم کو مخاطب کر کے فرمایا: اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۔

یہ جو مورتیاں تم گھڑ کے اِن کے آگے سربسجود ہو یہ ہیں کیا بلا، ان کی حیثیت کیا ہے؟ ان میں کمال کیا ہے؟ ان کی حیثیت تو یہ ہے کہ لکڑی کی ہیں یا پتھر کی ہیں، تم تراشتے خراشتے اور توڑتے بناتے رہتے ہو جس کی جو شکل چاہے بنا دو، وہ اپنی شکل نہیں بنا سکتی۔ جس کو رکھ دو جہاں رکھ دو، پھینک دو، دیوار میں چُن دو تو فریاد بھی نہیں کر سکتیں۔ یہ کیا بلا ہیں؟ جن کے آگے تم سربسجود ہو اس کا کوئی کمال، کوئی اس کی حیثیت، کچھ تو بتاؤ کیا دلیل ہے تمہارے پاس؟

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ وہ کہنے لگے ہمارے پاس دلیل ایک ہی ہے کہ ہم نے باپ دادا کو انہی کی پوجا کرتے دیکھا ہے۔ اور معاشرے میں یہ بڑی وزنی دلیل ہے۔ ہماری عجیب عادت ہے کہ جب ہم کوئی اس طرح کے واقعات پڑھتے ہیں مشرکین و کفار کے حق میں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت ان کے حق میں ہے۔ کوئی فضیلت کی

آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ صحابہ کرامؓ کے حق میں ہے، خود الگ ہوجاتے ہیں۔ ہمارے حق میں نہ یہ تھی نہ وہ تھی، حالانکہ قرآن ہمیں مخاطب کررہا ہے۔ ایک ایک بندے کو مخاطب کررہا ہے ایک ایک بندے کو مخاطب کرکے قرآن اپنی بات کررہا ہے۔ کافروں سے یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (الکافرون: 1) کہہ کر بات کرتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (النساء: 6) کہہ کر مومنین سے بھی بات کرتا ہے۔ ہر پڑھنے والے کو مخاطب کرکے کہتا ہے۔ اُن کے پاس دلیل یہ تھی کہ ان کے باپ دادا اس طرح کرتے تھے۔

آپ آج کے معاشرے کو دیکھیں، شادی تو شادی ہوتی ہے ہم موت پر بھی رسمیں کرتے ہیں۔ یعنی شادی تو ایک خوشی کا موقع ہے۔ ہر کوئی بے قابو ہوتا ہے۔ موت پر تو آخرت یاد آتی ہے لیکن وہاں بھی رسمیں ہوتی ہیں کہ باپ دادا ایسا کرتے تھے۔ بھئی! قرآن کیا کہتا ہے، نبی ﷺ نے آپ کو کیا تعلیم دی؟ آپ ویسا کیوں نہیں کرتے؟ کہتے ہیں دیکھیں نا! پھر ناک کٹ جائے گی۔ سُنت پر عمل کریں گے تو ناک کٹ جائے گی اور رسومات پر کریں تو ناک سلامت رہے گی۔ تو گویا ناک بچاتے رہتے ہیں خواہ سارا خاندان جہنم میں چلا جائے قرآن کریم جو ارشاد فرماتا ہے اُسے اپنے حالات پر لاگو کرکے دیکھنا چاہیے اور جس ممکن حد تک ہوسکے کرنا چاہیے۔ برادری ایسا کرتی ہے، معاشرے میں یہی رواج ہے، ہمارے علاقے کا یہی دستور ہے۔ چھوڑو یار! نہ علاقہ کام آئے گا نہ برادری کام آئے گی، نہ معاشرہ کام آئے گا، اپنا کردار اپنے اعمال کام آئیں گے۔ اپنے کردار کو سنت نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھال لو۔ رسومات سے نکلو، دین میں آؤ تو ہر کام عبادت ہوجائے گا۔ دین کے مطابق شادی کرنا بھی عبادت ہے۔ دین کے مطابق دعوتِ ولیمہ بھی عبادت ہے۔ دین کے مطابق لباس بھی عبادت ہے۔ دین کے مطابق کمانا بھی عبادت ہے۔ دین کے مطابق خرچ کرنا بھی عبادت ہے۔ سونا بھی عبادت ہے اگر وہ سنت کے تابع ہو۔ حساب تو اللہ کریم کے سامنے دینا ہے۔ لوگوں کے سامنے نہیں۔ لوگوں کا پتا ہے کیا طریقہ ہے؟ لوگ جب سامنے ہوتے ہیں تو بڑی تعریف کرتے ہیں کہ آپ نے بڑا کمال کردیا۔ جب ذرا پرے جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ دفع کرو یار! جو اس نے دعوت کی تھی اس نے تو میرا پیٹ ہی خراب کردیا۔ پتا نہیں اس میں کیا ڈالا ہوا تھا؟ نمک تیز تھا، وہ گوشت تو جم ہی گیا تھا۔ وہ تو کب کا ٹھنڈا ہوگیا تھا۔ منہ پر خوشامد کرتے ہیں، پرے جاکر سو اعتراض کرتے ہیں۔ لوگوں کا کیا ہے!

انہوں نے اپنے والد سے بھی فرمایا، پوری قوم سے بھی فرمایا کہ یہ کیا تماشا ہے کہ خود مورتیاں بنالیتے ہو اور اُن کے آگے سربسجود ہوجاتے ہو۔ یہ کسی طرح عقل میں آنے والی بات ہے کہ ایک چیز جس کو تم بناتے ہو پھر اُس کی پوجا کرنے لگ جاتے ہو؟ وہ کہنے لگے:

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ۔۔۔ کہ ہم نے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے دیکھا۔ ہمارے باپ دادا بڑے دانشور تھے ہمارے باپ دادا بڑے بہادر تھے۔ دیکھو! انہوں نے علاقے فتح کرکے کتنی بڑی بادشاہت قائم کردی۔ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔ بڑے بہادر، بڑے شجاع تھے اور اتنی بڑی ریاست انہوں نے بزور بازو قائم کی اور جو کام وہ کرتے تھے اچھا ہی کرتے تھے۔ وہ کوئی ایسے بیوقوف تو نہیں تھے۔ چونکہ وہ ایسا کرتے تھے ہم بھی وہی کرتے ہیں۔ ابراہیمؑ نے فرمایا: قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔۔۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: بہادر ہوں گے، شمشیر زن ہوں گے، ریاست بنائی ہوگی لیکن تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی ایسی گمراہی میں ہو جس کو تم خود بھی سمجھتے ہو کہ یہ غلط ہے۔ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ایسی گمراہی میں ہو جسے تم خود بھی سمجھ رہے ہو کہ ہم راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں، یہ غلط ہے۔ تمہارے بھی دل میں سکون نہیں ہیں کہ یہ بات حق ہے۔ یہ تم بھی جانتے ہو یہ تمہارے اندر بھی بات کھٹکتی ہے کہ یہ لکڑی کے بت کیا کریں گے؟ تو معاشرے کی رسومات کا یہ جواب اللہ کریم نے ابراہیم علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے جو دیا وہ قرآن میں درج کردیا کہ جب بات معاشرے کی ہو کہ لوگ کیا کہیں گے۔ رواج اس طرح سے ہے، ہمارے علاقے کی، برادری کی رسم یہ ہے تو کہہ دو یہ سارا صریح غلط ہے کیونکہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف ہے۔ اگر برادری

کر رہی ہے تو غلط کر رہی ہے، اگر معاشرہ کر رہا ہے تو غلط کر رہا ہے اگر علاقہ کر رہا ہے تو غلط کر رہا ہے، صحیح وہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا۔

آپؐ نے بڑا کوئی ایچ پیچ نہیں لگایا کہ کوئی ناراض نہ ہو جائیں خفا نہ ہو جائیں۔ آپؐ نے سیدھا سیدھا کہا تمہارے بزرگ بہادر ہوں گے، انہوں نے ریاست بنائی ہو گی لیکن یہ جو عقیدہ اور طریقۂ عبادت ہے یہ صریح غلط کر رہے ہو۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ کیا ہم میں یہ جرأت ہے کہ ہم رسومات کا رد اس طرح کر سکیں۔ وہ کہنے لگے: قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ کیا آپ ہمارے پاس واقعی حق لائے ہیں یا دل لگی کر رہے ہیں؟ آپ کہتے ہیں ہم گمراہ ہیں۔ ہم گمراہ سہی۔ لیکن حق کیا ہے؟ کیا آپ کے پاس حق ہے؟ کوئی متبادل طرزِ حیات ہے؟ کوئی متبادل عقیدہ ہے، کوئی متبادل طریقۂ عبادت ہے کہ جو اس سے ہٹ کر ہے اور شرط یہ کہ وہ حق بھی ہو، کیا آپ کے پاس حق ہے؟ یا محض آپ مذاق کر رہے ہیں۔ ہمارے ساتھ ٹھٹھا کر رہے ہیں، محض وقت گزاری کے لیے باتیں کر رہے ہیں۔ آپ تو سب کو رد کر رہے ہیں۔ ہماری تو نسلیں گزر گئیں یہ کام کرتے۔ بڑے بڑے جرنیل، بڑے بڑے بہادر، بڑے بڑے دانشور، بڑے بڑے شاعر اور بڑے بڑے مؤرخ اور ادیب، ہم میں کیسے کیسے لوگ گزرے! آخر ایک بہت بڑی سلطنت تھی۔ تو وہ سارے اس پر متفق تھے۔ آپؐ نے فرمایا، سارے گمراہ تھے۔ وہ لوگ بولے: قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ۔۔۔ کیا آپ حق کے ساتھ آئے ہیں؟ آپ کے پاس حق ہے، آپ کے پاس طرزِ فکر حق ہے، عقیدہ حق ہے، طرزِ عمل حق ہے؟ یہ ساری زندگی کے اتار اور چڑھاؤ نشیب و فراز، صلح اور جنگ، معیشت و معاشرت، عدالت و سیاست یہ بہت لمبا کام ہے زندگی کا۔ اس سارے کا صحیح راستہ جس پہ اللہ بھی راضی ہو مخلوق کو بھی فائدہ ہو، کیا آپ کے پاس ہے یا آپ ایسے ہی ہمارا مذاق اُڑا رہے ہیں؟

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۔۔۔ آپؐ نے فرمایا: حق کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اپنے مالک، خالق، اپنے رازق کو پہچانو۔ کس نے تمہیں پیدا کیا؟ کس نے یہ زمین بچھونا بنائی؟ کس نے اس میں رزق کے خزانے رکھ دیئے؟ کس نے ہوائیں چلائیں، کس نے بارشیں برسائیں؟ کس نے آسمان کی چھت بنا دی، کس نے چاند سورج ستارے بنا دیئے؟ یقیناً وہ جو ربّ العالمین ہے۔ ربّ کا معنیٰ ہوتا ہے ہر ضرورتمند کی، ہر ضرورت ہر جگہ ہر وقت پوری کرنے والا۔ وہ جس نے ذرے سے لے کر آسمانوں تک ہر چیز کو پیدا کیا اور اُس کی ہر ضرورت ہمہ وقت پوری کر رہا ہے، وہ تمہارا پروردگار عبادت کا مستحق ہے۔ یہ پتھر کے بُت یہ لکڑی کے بُت نہیں۔

اللہ کو کسی نہ کسی روپ میں ہر کوئی مانتا ہے۔ نام مختلف رکھ لیں، تعریفیں مختلف کر لیں، ایک آخری طاقت عقل کو ماننا پڑتی ہے جو سب کے لیے ہے، جو سب کو دیتا ہے جسے کوئی نہیں دیتا۔ ورنہ زندگی میں تسلسل آتا کہ یہ کس نے دیا؟ فلاں نے۔ اُس کو کس نے دیا؟ فلاں نے۔ اُس کو کس نے دیا؟ فلاں نے۔ یہ تو ختم نہیں ہوتا پھر ایک ایسی ہستی چاہیے جو سب کو دیتی ہے اور وہ کسی کی محتاج نہیں۔ تو عقل تھک جاتی ہے جب، تو اقرار کر لیتی ہے۔ لیکن تھک ہار کر کسی ہستی کا اقرار کرنا دین نہیں ہے اللہ کو ایسا مانا جائے جیسا اللہ کے نبیؐ منواتے ہیں۔ یہ دین ہے۔ دین یہ ہے کہ اللہ کو ایسا مانو جیسا اللہ کے نبی منواتے ہیں اور یہاں تو وہ دلیل دے رہے تھے کفر کے مقابلے میں۔ تو فرمایا کہ یہ جو پتھر کی مورتیاں، لکڑی کی مورتیاں تم بناتے ہو، تو یہ درخت جو پیدا ہوا۔ دس سال نہ سہی اُس کی عمر بیس سال ہو گی پچاس سال ہو گی تو یہ خود زمین سے اُگا، تم نے کاٹا، چھیل چھال کر مورتی بنا دی۔ پتھر پڑا ہوا تھا زمین پہ اللہ کی مخلوق۔ تم نے تراشا، مورتی بنا دی تو انہیں تو تم خود بنا رہے ہو انہوں نے کیا بنایا؟ ان کی حیثیت تو یہ ہے کہ تم انہیں تراش رہے ہو، جس نے یہ سارا نظام بنایا وہ تمہارا پروردگار ہے۔ یہ بت تمہارے پروردگار نہیں ہیں۔

اللہ کو رب ماننے پر بندہ پھسل جاتا ہے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے جائز ذرائع اللہ نے بنائے ہیں لیکن بندے اس پر نہیں رُکتے۔ رشوت دیں گے، سفارشیں کرائیں گے، لوگوں کے دروازوں پر جبہ رسائی کریں گے، منتیں کریں گے میرا کام ہو جائے یہاں آ کے پتا چلتا

ہے کہ کتنا ایمان ہمارا اللہ پر ہے اور کتنا بھروسہ لوگوں پر ہے۔ تو فرمایا اس ربّ العالمین کو اپنا پروردگار مانو، سارا بھروسہ اُس پر کرو۔ مصیبتیں وہ رفع کرتا ہے۔ بیماریوں سے شفا وہ دیتا ہے۔ ضرورتیں وہ پوری کرتا ہے لہٰذا اُس سے مانگو۔ ہوتا یہ ہے کہ بعض اوقات ہم وہ چیز مانگ رہے ہوتے ہیں جو ہمارے لیے مضر ہوتی ہیں۔ ننھا بچہ کچن میں چھری یا چاقو دیکھ لے تو اُس کی چمک دیکھ کر کہتا ہے کہ یہ مجھے دے دو ماں اُسے چھری نہیں دیتی اور کوئی چمکدار چیز دے دیتی ہے۔ بندہ اپنے پروردگار کے سامنے جب گڑگڑاتا ہے تو جو چیز اُس کے لیے مفید ہو تو اُسے وہ چیز عطا کر دیتا ہے، جو چیز اس کے لیے مفید نہیں ہوتی وہ نہیں دیتا کہ اگر وہ چیز اسے مل جائے تو اُسے اُس کا نقصان ہو، اس لیے اللہ اُسے اُس کے متبادل اُس سے اچھی چیز دے دیتا ہے۔ رد نہیں کرتا کسی کو۔

یہ ہماری نا اہلی ہے کہ ایک تو ہم میں مانگنے کا بھی شعور نہیں ہے۔ مانگ بیٹھتے ہیں تو دعا کو حکم کا درجہ دے دیتے ہیں کہ میں نے کہا ایسا ہی ہونا چاہیے۔ دعا تو درخواست ہوتی ہے، حکم نہیں ہوتا۔ محکوم ہم ہیں، اللہ کی ذات نہیں کہ ہم حکم دیں تو وہ ضرور پورا کر دے، نہیں۔ حاکم وہ ہے، ہم محکوم ہیں۔ اُس کی شان ہے کہ جو وہ ارشاد کرے ہم اپنی پوری کوشش کریں کہ ہم اُس کی تعمیل میں کوئی کسر نہ رکھیں۔ یہ اُس پر لازم نہیں کہ ہم جو کہیں وہ کرے۔ ہمیں کیا پتا، اتنی بڑی کائنات اُس نے ایک ایک ذرہ جوڑ کر بنائی ہوئی ہے۔ اُس میں کہاں کمی، کہاں بیشی، کیا خوبی، کیا ضرورت ہے، کیا نہیں ہے؟ ہمیں اپنے بارے نہیں پتا ہمیں دوسرے بتاتے ہیں یہ چیز نہ کھاؤ تمہارے لیے مضر ہے۔ کمال ہے! جسم میرا ہے وجود میرا ہے، صحت میری ہے لیکن بتاتا ڈاکٹر یا حکیم ہے کہ یہ کھاؤ، یہ نہ کھاؤ، وہ نہ کھاؤ تو ہمیں اپنی خبر نہیں تو کائنات کی ہمیں کیا خبر کہ ہم اللہ کو کہیں کہ یہ فیصلہ یوں کر دو ہمیں کیا پتا۔ اس کے باوجود وہ اتنا کریم ہے، کہتا ہے، جو تمہاری عقل میں آتا ہے تم پیش کرو تو میں تمہیں بات کرنے کا اجر تو دوں گا۔ کائنات کی ہمیں کیا خبر کیا ہم اللہ کو کہیں کہ یہ فیصلہ یوں کر دو ہمیں کیا پتا۔ اس کے باوجود وہ اتنا کریم ہے، دعا میں یہ صلہ کیا کم ہے کہ ایک وقت تم سب سے کٹ کر صرف ربّ العالمین سے آرزوئیں پیش کر رہے ہوتے ہو۔ اللہ سے بات کا یہ اجر کیا کم ہے ورنہ تو وہ بے نیاز کہتا او بے وقوف! یہ تم نے کیا مانگا لیکن وہ فرماتا ہے نہیں اس کی اتنی عقل تھی، اس نے مانگا تو مجھ سے، فیصلہ تو میں اپنا کروں گا۔ اسے مانگنے کا انعام تو دو، یہ میرے دروازے پہ تو آیا۔ ہم جھک مارتے ہیں وہ انعام دیتا ہے جس بات کو ہم نہیں سمجھتے اُس کے بارے رائے دینا جھک مارنا ہی ہوتا ہے۔

تو فرمایا: بے وقوفو! تمہارا سب کا پروردگار وہ ہے جو ارض وسماء کا پروردگار ہے۔ جس نے سارے نظام کو تخلیق فرمایا جاہلو! تم ستاروں کو پوج رہے ہو۔ اُس کو پوجو جس نے ستاروں کو پیدا کیا، ان کو روشنی دی، ان کے مقام مقرر کر دیئے۔ تم ان پتھروں، لکڑی کو، درختوں کو نہ پوجو، اُس کو پوجو جس نے یہ ساری کائنات بنائی۔ درخت پتھر ہر شے اُس کی مخلوق ہے۔

الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ---

جس نے ہر چیز کو جو جو اُس میں خصوصیت ہے وہ عطا کر کے پیدا فرمائی۔ ان کو اپنی خصوصیات کے ساتھ پیدا فرمایا۔ کسی چیز کا کوئی ذاتی کمال نہیں ہے۔ یہ اللہ کی دین ہے اُس ربّ العالمین کی دین ہے۔ اب اس پہ دلیل کیا ہو۔ آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ آپؑ نے فرمایا: **وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ---** اس پر میں سب سے پہلا اور بڑا گواہ ہوں اور ان شاء اللہ ساری عمر اسی پر قائم رہوں گا۔ نبیؑ جو کچھ ارشاد فرماتا ہے اس پر سب سے پہلا گواہ نبی خود ہوتا ہے۔

سیدنا عبدالقادر جیلانی ؒ کے واقعات میں ملتا ہے کہ ایک عالم تھے، صرف ونحو میں انہیں دسترس تھی بلکہ صرف ونحو کے امام تھے۔ صرف ونحو حروف، الفاظ، جملے فقرے جوڑنے کا ایک علم ہے، ایک فن ہے۔ بہت وسیع فن ہے عربی میں۔ وہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے پاس پہنچے۔ ایسے علماء بڑی دلیلیں رکھتے ہیں۔ دلائل یا منطق سے متعلق ہوتے ہیں۔ بہر حال وہ شیخ کے پاس پہنچ گئے کہ مجھے بھی اللہ اللہ سکھایئے۔ انہوں نے فرمایا یہ کام بلا دلیل ہوتا ہے۔ یہ سارے کا سارا شیخ پہ اعتماد سے چلتا ہے۔ اب آپ ہیں صرفی۔ آپ ہر کام کی عقلی نقلی دلیل مانگتے ہیں تو دلائل سے یہ نہیں چلے گا یہ تو شیخ پہ اعتماد سے چلے گا۔ آپ یہ چھوڑ دیں تو

میں آپ کو اللہ اللہ سکھادوں گا۔ یہ بات ہوئی ختم ہوگئی۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تو وہ بیمار ہوئے اور ان کے حالات خراب ہوگئے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے کسی نے عرض کی کہ وہ عالم جو اللہ اللہ سیکھنے آئے تھے وہ تو اب بہت زیادہ بیمار ہوگئے ہیں، تو آپ اُن کی بیمار پُرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپ گئے تو انہیں مرض الموت میں پایا۔ تو حضرت نے پوچھا سناؤ کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا حضرت آپ آگئے ہیں بہت اچھا ہوا، ورنہ مجھے تو شیطان نے عاجز کر دیا ہے۔ موت قریب ہے اور یہ ظالم مجھ سے کہتا ہے کہ تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ اللہ ایک ہے۔ تم کس دلیل پہ کہتے ہو؟ تو میں اب تک اسے ننانوے دلائل دے چکا ہوں اللہ کی توحید کے بارے میں اور یہ ردّ کر دیتا ہے، یہ بھی اُسی منطق کے علم سے ردّ کر دیتا ہے۔ کہتا ہے اس میں یہ نقص ہے دوسری دلیل لاؤ، دوسری دلیل دیتا ہوں پھر ردّ کر دیتا ہے۔ میں ننانوے دلیلیں دے چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا مولانا! میں نے کہا تھا یہ صرف ونحو آپ کے کسی کام کے نہیں ہیں؟ آپ کس جھمیلے میں پھنس گئے؟ اسے کہو مجھے محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ شیطان سے کہو کہ مجھے محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ اللہ واحد ہے اور یہ وہ دلیل تھی جس کا ردّ اُس کے پاس نہیں تھا۔ یہی بات یہاں ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی۔ وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ۔۔۔

اس بات پہ میں گواہ ہوں تو جو بات نبیؑ ارشاد فرما دیتا ہے وہ حق ہے اور اُس کے حق ہونے پر اللہ کے نبی کی گواہی کافی ہے، کسی اور کی کوئی ضرورت باقی نہیں۔ وَ تَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ۔۔۔ آپؑ نے کہا تمہیں ایسے سمجھ نہیں آتی۔ میں تمہارے بتوں سے دیکھ لوں گا۔ میں تمہارے بتوں سے کوئی تدبیر لڑاؤں گا۔ میں تمہیں ثابت کردوں گا کہ یہ نہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ سنوار سکتے ہیں اپنی جان کی اپنی حفاظت نہیں کر سکتے۔ کسی کو کیا بچائیں گے؟ وَ تَاللّٰہِ اللہ اس بات پہ گواہ ہے میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں تمہارے بتوں کی خبر لوں گا۔ وَ تَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ۔۔۔

ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب اُن کا عبادت کا تہوار آتا تو وہ بتوں کے سامنے کھانا رکھ کر باہر چلے جاتے۔ رسومات ادا کرتے پھر واپس آکر کر بتوں کے سامنے سے کھانا اُٹھا کر پوری قوم میں بانٹا جاتا تبرک کے طور پر۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جب تم سارا شہر، ساری قوم نکل جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں سے حساب کتاب کروں گا۔ میں دیکھوں گا کہ یہ کیا کرتے ہیں؟ تو وہ جب کھانے رکھ کر گئے تو ابراہیم علیہ السلام بت خانے میں چلے گئے۔ وہاں اور تو کوئی تھا نہیں بت اور تھال پڑے تھے۔ وہ بتوں سے فرماتے تھے: بھئی! رکھ کے کھڑے ہو کھاتے کیوں نہیں ہو؟ اتنے مزیدار کھانے تمہارے سامنے پڑے ہیں۔ منہ اٹھائے کھڑے ہو، کھاؤ۔ کلہاڑا اُن کے پاس تھا۔ فَجَعَلَھُمْ جُذٰذًا اِلَّا کَبِیْرًا لَّھُمْ لَعَلَّھُمْ اِلَیْہِ یَرْجِعُوْنَ۔۔۔ انہوں نے اُن کے پرخچے اُڑا دیئے، ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اردو کا صحیح ترجمہ مزے دار یہ بنتا ہے فَجَعَلَھُمْ جُذٰذًا پرخچے اُڑا دیے۔ کلہاڑے سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ اِلَّا کَبِیْرًا لَّھُمْ لَعَلَّھُمْ اِلَیْہِ یَرْجِعُوْنَ۔۔۔ بڑے بت کے سوا باقی سارے چھوٹے موٹے جو بت تھے سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ اور بعض روایات میں ملتا ہے۔ پھر وہ کلہاڑا بڑے بت کے کندھے پہ رکھ دیا اور انتظار کرنے لگے کہ واپس آتے ہیں تو بات ہوتی ہے۔ واپس تو انہوں نے آنا تھا بت خانے میں پھر وہاں سے تبرک لے کے بانٹنا تھا لیکن وہ تبرک کیا؟ وہاں تو بتوں کے بھی ٹکڑے ہو چکے تھے۔ جب وہ واپس آئے تو حیرت زدہ رہ گئے۔ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ ھٰذَا بِاٰلِھَتِنَآ اِنَّہٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔۔۔ کہنے لگے، ہمارے معبودوں کا یہ حشر کس نے کر دیا، یہ غضب کس نے ڈھایا؟ ہم تو انہیں سجدے کرتے تھے، ان سے اپنی حاجات مانتے تھے۔ ان کا یہ حال کس نے کر دیا؟ اِنَّہٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔۔۔ یقیناً اُس نے بہت ظلم کیا ہے بہت زیادتی کی ہے، یہ تو بڑی زیادتی ہے ہمارے معبودوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، یہ کس نے کیا؟ بپھر گئے۔

کسی نے کہا قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًی یَّذْکُرُھُمْ یُقَالُ لَہٗٓ اِبْرٰھِیْمُ ۔۔۔ ایک جوان ہے اُسے ابراہیم کہتے ہیں، وہ اس طرح کی

باتیں کرتا رہتا ہے کہ یہ بت کوئی چیز نہیں ہیں اور یہ محض لکڑی اور مٹی کی تصویریں ہیں اور ان کی کوئی بات نہیں اور یہ سارا غلط ہے۔ یقیناً اُسی نے کیا ہوگا باقی سب بتوں کو پوجتے ہیں وہ تو نہیں کر سکتے ہم نے ایک جوان کی باتیں سنی ہیں یا ہم نے سنا ہے ایک جوان ایسا ہے جوان کا ذکر حقارت سے کرتا ہے اور ان کی باتیں اس طرح کی کرتا ہے۔ اُسے لوگ ابراہیم کے نام سے جانتے ہیں قَالُوْا فَأْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ۔۔۔ قوم نے کہا اُسے برادری کے سامنے لے آؤ۔ یہ بڑا بت ہے برادری بھی۔ اُسے قوم کے سامنے لوگوں کے سامنے لے آؤ تاکہ سارے اس بات کے گواہ ہوں۔ سارے سنیں، دیکھیں، سمجھیں کہ اُس نے بتوں کی توہین کیوں کی؟ اگر کی تو اُس کا نتیجہ کیا بھگتنا پڑے گا؟ کتنی تکلیف ہوگی اور کیا انجام ہوگا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو بلایا گیا۔ آپؑ تشریف لائے۔ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۔۔۔ انہوں نے سب کے سامنے سوال کیا کہ اے ابراہیم ہمارے معبودوں کا یہ حشر آپ نے کیا؟ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۔۔۔ آپؑ نے فرمایا کلہاڑا لے کر تو یہ بڑا کھڑا ہے اسے تو خراش بھی نہیں آئی اور سب کے ٹکڑے ہوگئے اس نے مارا ہوگا۔ تم کھانا چھوڑ کر چلے گئے۔ اس نے سب سے چھین لیا ہوگا اور سب کو مارا ہوگا۔ اُس کے پاس کلہاڑا ہے اور اتنا بڑا کھڑا ہے، نہ اس کی ٹانگ ٹوٹی نہ بازو تو اس سے پوچھو اس نے مارا ہے۔

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ کہا۔ پھر بعض لوگوں نے اس سے جھوٹ کو بھی حلال جائز کرنے کی کوشش کی۔ پھر بعض نے یہاں سے تقیہ کا جواز نکالا۔ یہ نہ جھوٹ تھا نہ تقیہ تھا یہ ایک دلیل تھی کہ بھئی سارے مرے پڑے ہیں۔ ایک کلہاڑا لے کر کھڑا ہے تو پھر اس سے پوچھا جانا چاہیے اس نے مارا ہوگا۔ اندر بت خانے میں تو یہ ہی تھے اس دلیل سے وہ ان کا عاجز ہونا ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ یہ خود مرتے رہے بتا بھی نہیں سکتے یہ جو کھڑا رہا یہ انہیں بچا بھی نہ سکا اب ان کی گواہی بھی نہیں دے سکتا۔ ان کی پوجا کس بات پر کرتے ہو۔ تو یہ کوئی جھوٹ تھا نہ مذاق تھا۔ یہ ایک دلیل پیش کرنے کا انداز تھا۔ کہ تمہارے قول کے مطابق اگر یہ دنیا کی تکلیفیں دور کرتے ہیں۔ لوگوں کو مصیبتوں سے بچاتے ہیں۔ رزق دیتے ہیں۔ صحت دیتے ہیں تو ان کا اپنا یہ حشر ہوگیا۔ اپنی کہانی تو سنائیں یا یہ جو سب سے بڑا ہے اور تم کہتے ہو بت بھی اس کی پوجا کرتے ہیں یہ ان کا بھی رکھوالا ہے اچھا رکھوالا ہے۔ بچا نہ سکے تو بتا تو سکے کہ ان کو کس نے توڑ دیا اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو تُف ہے یہاں سے جھوٹ ثابت کرنا کون سی دانشمندی ہے۔

اُنہوں نے فرمایا: قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۔۔۔ ہاں اس بڑے بت نے مارا ہے اس کے پاس کلہاڑا ہے اس سے پوچھو اگر یہ بتا سکتے ہیں تو خود بتائیں گے، بولیں گے۔ تو وہ یہ دلیل دے رہے تھے کہ یہ بت عاجز ہیں، نہ بتا سکتے ہیں نہ تم ان سے پوچھ سکتے ہو۔ میں کہتا ہوں اس نے مارا، یہ تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے نہیں مارا، ابراہیم (علیہ السلام) نے توڑے ہیں۔ بیچارا اتنا مجبور اور بے بس کھڑا ہے!

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔۔۔ تو وہ بتوں کے پجاری تھے۔ وہ بھی اپنی سوچ میں پڑ گئے۔ یار! یہ کیا ہوا، ان سے بنا تو کچھ نہیں۔ یہ اپنے آپ کو نہیں بچا سکے اور اتنا بھرا ہوا شاہی بت خانہ تھا۔ پتا نہیں کتنا بڑا تھا۔ پتا نہیں کتنے بت ہوں گے۔ کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو اپنی جان بچا سکتا۔ ایک بندے نے سب کے ٹکڑے اُڑا دیے اور یہ جو بڑا کھڑا ہے یہ منہ دیکھتا رہا۔ یہ بے شرم اب بتا بھی نہیں سکتا کہ ہوا کیا ہے؟ تو ہم کس بات پہ ان کی پوجا کر رہے ہیں؟ اُنہوں نے اپنے دل میں تو سوچا بات تو ٹھیک ہے۔ اتنی بڑی وزنی دلیل تھی، اُس کا کوئی رد نہیں تھا۔ اُنہوں نے دل میں سوچا یہ فیصلہ کیا کہ واقعی ہم غلطی پر ہیں۔ ہم ظالم ہیں، ہم زیادتی کر رہے ہیں۔ بات ان کی ٹھیک ہے۔ یہ جو اپنی جان نہیں بچا سکے۔ ہمیں کیا دیں گے؟ اُن کے پرخچے اُڑ گئے یہ اس قابل بھی نہیں کہ بتائیں تو سہی کہ انہیں مارا کس نے ہے اور یہ جو درمیان میں کھڑا ہے۔ یہ تو بتائے کہ ان کو کس نے مارا ہے۔ یہ تو سلامت ہے لیکن کوئی کسی قابل نہیں ہے۔ وہ کہنے لگے واقعی ہم بہت زیادتی کر رہے ہیں۔ شرمندہ

شرمندہ سر جھکائے کہنے لگے۔ آپ کو تو پتا ہے یہ بات تو کر نہیں سکتے۔ بول تو نہیں سکتے یہ تو نہیں بتا سکتے کس نے یہ کیا ہے؟ لیکن دل میں شرمندہ ہو گئے سر جھکا کر بات کی۔

آج جو منہ پھاڑ کر سر اُٹھا کر دین پر تنقید کرتے ہیں۔ اُن سے تو کم از کم یہ لوگ کم بُرے تھے۔ بات نہیں مانی بدبخت تھے۔ لیکن شرم تو اُنہیں آئی کہ یار ہم غلط ہیں، بات یہ صحیح ہے۔ اپنے دل میں انہوں نے سوچا کہ ہم غلطی پر ہیں، منہ پھاڑ کر تو نہیں کہا۔ سر جھکا کر ہی کہا۔ کہ بھائی ابراہیم آپ تو یہ جانتے ہیں کہ یہ بات تو کر نہیں سکتے لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۔۔۔ آپ تو جانتے ہیں کہ یہ بیچارے بول نہیں سکتے۔ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ۔۔۔ آپؑ نے فرمایا! یہی بات تو میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پوجا کر رہے ہو جو تمہارا نہ نفع کر سکتے ہیں نہ بگاڑ سکتے ہیں۔ جو اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے وہ تمہارا کون سا فائدہ کریں گے۔ یہ تمہیں کیا نفع دیں گے؟ اور میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے میں نے سب کے پرخچے اُڑا دیے۔ تمہارا یہ کیا بگاڑ لیں گے؟ اگر ان کے بس میں کچھ ہوتا تو مجھے سزا دیتے، تو فائدہ کسی کا کیا کریں گے؟ جو اپنی جان نہیں بچا سکے تمہارا کیا فائدہ کریں گے؟ فرمایا، تو کیا تم پھر ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر؟ کتنی عجیب بات ہے اللہ جل شانہٗ کی عبادت نہیں کرتے ان بے حس بتوں کی پوجا کرتے ہو تم۔ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔۔۔ تُف ہو تم پر بھی اور اُن بتوں پر بھی جنہیں اللہ کے سوا تم پوجتے ہو۔ تم سب اس لائق ہو کہ تم سب پر تُف کی جائے افسوس کیا جائے، بھلا برا کہا جائے، تمہیں ذلیل ورسوا کیا جائے۔ تُف حقارت کی نشانی ہوتی ہے کہ تم بہت حقیر ہو۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔۔۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سوچ سکتے اللہ نے تمہیں عقل دی ہے تم عقل سے سوچو تو سہی جو چیز اپنی جان نہیں بچا سکتی وہ تمہاری محافظ کیسے؟ جو اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا تمہیں کیسے رزق دے رہا ہے؟ جسے میں نے توڑ پھوڑ دیا میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے اُس کی تم پوجا کر رہے ہو عقل سے تو کام لو دل تو مردہ ہیں دماغ سے تو کام لو۔ اب ان کی عقل نے یہ کام کیا کہ دنیوی ملامت سے کیسے بچیں تو کہنے لگے کہ ہمارے بتوں کی بے آبروئی دنیا پہ ظاہر ہو جائے گی۔ دنیا کی اِردگرد کی ریاستوں میں بھی جائے گی ہمارے دین کا تو انہوں نے جنازہ نکال دیا۔ ہمارے باپ دادا کا دین تو تباہ ہو جائے گا۔ تو اب کچھ عزت بچانے کا انتظام کرنا چاہیے۔

جس طرح جرم تو زلیخا نے کیا تھا یوسف علیہ السلام تو پاک دامن تھے ثابت بھی ہو گیا۔ جب زلیخا نے شکایت کی خاوند سے کہ انہوں نے آپ کی عزت پہ ہاتھ ڈالا ہے۔ تو ایک معصوم بچے نے شہادت دی کہ اگر کُرتا آگے سے پھٹا ہے تو قصور یوسف کا ہے اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو قصور زلیخا کا ہے۔ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ (یوسف:28) کُرتا دیکھا گیا تو پیچھے سے پھٹا ہوا تھا تو اُس کے خاوند نے کہا کہ زلیخا قصور تمہارا ہے اور تم بڑے مکر کرتی ہو۔ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۔(یوسف:28) تم عورتیں بڑے بڑے مکر کرتی ہو۔ اللہ سے معافی مانگو اب عزیزِ مصر پر بھی ظاہر ہو گیا کہ قصور زلیخا کا ہے لیکن قید یوسف علیہ السلام کو کر دیا گیا۔ کیوں؟ عزت بچانے کے لیے تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ قصور یوسف ہی کا تھا۔

یہاں بھی اُنہوں نے سر جوڑ لیے کہ کچھ کرو۔ یہ بات سامنے آگئی کہ ایک بندے نے سارے بُت خانے کے بُت توڑ دیے۔ بتوں کی آبرو خاک میں مل جائے گی تو لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے ہمیں کچھ کرنا چاہیے تو سب نے فیصلہ یہ کیا۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۔۔۔ بہت بڑی آگ جلا کر ابراہیم علیہ السلام کو اُس میں پھینک دو۔ اُنہیں آگ میں جلا دو تا کہ لوگوں پہ دہشت طاری ہو جائے اور ثابت ہو جائے کہ بُتوں کا غضب ان پر نازل ہوا۔ ہم لوگوں سے کہہ سکیں گے کہ اُنہوں نے بتوں کو توڑا تو بتوں نے اُنہیں جلا کر خاک کر دیا، ورنہ ہمارے پلے کچھ نہیں رہا۔ اُنہیں آگ میں جلا کر خاک کر دو اپنے بتوں کی کچھ آبرو رکھ لو پہلے تو بتوں سے مدد مانگتے تھے، اب کہنے لگے بتوں کے پلے تو کچھ نہیں رہا۔ اب ہم کچھ کریں کہ کچھ ان کی آبرو بچ

جائے اپنے معبودوں کی اب تم مدد کرو وہ تو کسی قابل نہیں رہے وہ تو بے آبرو ہو گئے اب یہ بات باہر کی ریاست میں جائے گی دور دراز کے لوگوں کو تو کچھ بنا کر دکھاؤ۔ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دو ہم لوگوں سے کہیں گے کہ یہ بتوں کا غضب نازل ہوا تو کچھ عزت بچ جائے۔اب بات حق کی نہیں رہی بات ناک بچانے پہ آگئی اور یہ ناک ہی ہے جو ہمیں مارتی ہے ہر جگہ جہاں جہاں ہم زندگی میں خلافِ سنت کام کرتے ہیں یہی ہوتا ہے کہ جی ناک کٹ جائے گی، لوگ کیا کہیں گے؟ بات اب حق سے چلی گئی۔لوگوں کی بات ہے کہ لوگوں کو بتائیں گے کہ بتوں نے یہ کر دیا فرماتے ہیں ایک بہت بڑے میدان میں ایک بہت بڑا الاؤ جمع کیا گیا۔ بڑی دور دور تک پوری قوم نے لکڑیاں جمع کیں پھر آگ لگا کر دھونکتے پھونکتے رہے تو اتنی بڑی آگ بن گئی کہ اُوپر سے کوئی پرندہ نہیں گزر سکتا تھا اُس کے شعلے اور لپٹیں بلندی تک جاتی تھیں اور دور دور تک کوئی بندہ قریب نہیں جا سکتا تھا پھر مسئلہ پیدا ہو گیا کہ اب اس آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پھینکے گا کون؟ اس کے تو دس فرلانگ دور بھی شعلے لپٹتے ہیں اور گرمی قریب نہیں جانے دیتی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ابلیس انسانی شکل میں ظاہر ہوا دوسری دفعہ جب مکہ مکرمہ کے لوگ دارالندوہ میں جمع ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کے خلاف کوئی تجویز کرنی تھی تو وہاں انسانی شکل میں ابلیس نے ظاہر ہو کر مشورہ دیا تھا۔ یہاں بھی انسانی شکل میں آ کر اُس نے اُنہیں سمجھایا کہ ایک ایسا آلہ بناؤ جس کے ذریعے انہیں آگ میں جھونک دو وہ آلہ بعد میں پھر منجنیق کے طور پر استعمال ہوا اور مسلمانوں نے شیطان کی اولاد کے پرخچے اُس منجنیق سے اُڑائے اس نے کہا لکڑی سے ایسی چیز بناؤ جو بہت بلندی تک جائے اس میں ایک جھولا ڈال دو اس پنگھوڑے میں ابراہیم علیہ السلام کو رکھ کر اُس کی گرہیں ایسی لگاؤ جو نکالی جا سکیں تو اُسے آگ کے قریب لے جاؤ اُس کے اندر بٹھا کر اُسے جھلاؤ جب زور زور سے جھول رہی ہو گی اس طرف جائے تو گرہیں کھول دو تو وہ جھولے سمیت آگ میں گر جائیں گے۔ یہ تجویز ابلیس نے دی چنانچہ اُنہوں نے اُس طرح کی چیز بنائی وہاں سے پھر وہ منجنیق ایجاد ہوئی جس کی آخری شکل آج کل توپ ہے اُس منجنیق میں بھی بڑے بڑے پتھر رکھ کر اس طرح کر کے پھینکتے جاتے تھے دشمن پر اور مسلمانوں نے اُس کا بڑا استعمال کیا اور شیطان کی اولاد کو بڑا مارا اُسی منجنیق سے جو اُس نے بنوائی تھی۔ جب ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کا وہ الاؤ تیار ہو گیا۔ یہاں بڑی عجیب بات مفسرین کرام نے لکھی ہے۔ کہ ارض وسماء کے فرشتے لرز اُٹھے اور سب نے دعا کی بارِ الٰہا تیرے خلیل کو یہ مشرک بت پرست اتنی بڑی آگ میں پھینک دیں گے۔ ہمیں اجازت دیں ہم ابراہیم علیہ السلام کو بچا لیں۔ آگ بجھا دیں کافروں کو مار دیں۔ ارشاد ہوا تم اپنا نمائندہ فرشتوں کے سردار جبرائیل امین کے ذریعے بات کرو۔ اس وقت لوگ پنگھوڑے میں رکھ کر جلانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ پھر جبرائیل امین تشریف لائے سلام کے بعد عرض کیا کہ حضرت ہم سے آپ کا دکھ دیکھا نہیں جاتا اگر آپؑ اجازت دیں تو ہم آپؑ کو یہاں سے اٹھا لیں یا آگ کو بجھا دیں یا ان کو ماریں کوئی تدارک تو کریں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جبرائیل یہ لوگ مجھے کیوں آگ میں پھینک رہے ہیں؟ میں نے کیا کیا ہے؟ جی اللہ کے لیے پھینک رہے ہیں۔ آپؑ نے اللہ کا نام لیا ہے۔ غیر اللہ کو رد کیا ہے۔ بتوں کو رد کیا ہے۔ اُس جرم میں پھینک رہے ہیں اللہ کے لیے پھینک رہے ہیں۔ (ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا) اللہ کریم خود دیکھ رہا ہے خود بچا سکتا ہے ہر چیز پہ قادر ہے پھر تم درمیان میں کیوں آتے ہو؟ جب مجھے آگ میں اللہ کے لیے پھینک رہے ہیں اللہ خود دیکھ رہا ہے بچانا چاہے بچا سکتا ہے۔ آگ بھی اُس کی مخلوق ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے تو پھر میں جانوں میرا اللہ جانے اگر وہ جلا کے راضی ہے تو جل جائیں گے، بچانا چاہے گا تو بچ جائیں گے، میرے اور میرے پروردگار کے درمیان آپ لوگ کیوں آتے ہیں؟ یہ تھی وہ مخلوق جس کے لیے اللہ نے ازل کو فرشتوں سے کہا تھا۔ تم نہیں جانتے کہ اس میں کیسے کیسے اولوالعزم لوگ ہیں تمہیں کیا خبر! چنانچہ جھولا جھلایا گیا، چھوڑ دیا گیا، آپؑ کو آگ میں ڈال دیا گیا۔ اللہ بڑا بے نیاز ہے، بہت عظیم ہے۔ اُس نے نہ ہوا کو کہا کہ آگ نہ بھڑکاؤ نہ لکڑیوں سے کہا سلگنا بند کر دو نہ آگ سے کہا کہ بجھ جاؤ۔ اُس نے کہا آگ جلتی رہے لکڑیوں کو جلاتی رہے ہوا چلتی رہے اسے بھڑکاتی رہے لیکن اے آگ! تیرا کام تخلیقی طور پر جلانا ہے۔ آج ابراہیم علیہ السلام کے لیے اپنی

خُو بدل لے۔ اللہ کریم نے آگ کو مخاطب فرمایا۔ سبحان اللہ! یہ ہوتا ہے وسیلہ ورنہ آگ کی کیا حیثیت تھی کہ اللہ اُس سے کلام فرماتا یہ تو ابراہیم علیہ السلام کے وسیلے سے آگ کو شرف مل گیا کہ اللہ نے اُسے مخاطب فرمایا۔ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ اللہ کریم نے فرمایا اے آگ! تو ساری چیزوں کو جلاتی رہ لیکن ٹھنڈی ہو جا ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے اور ایسی ٹھنڈی بھی نہ ہونا کہ ٹھنڈ لگنے لگ جائے بس مزے دار ہوجا ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے۔ بلکہ ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے تو جنت کی فضا بن جا۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ آگ بجھ گئی، درخت جو جل رہے تھے سرسبز ہو گئے۔ یہ بڑا معجزہ نہیں۔ بڑا معجزہ یہ ہے کہ آگ آگ ہی رہی لیکن ابراہیم علیہ السلام کے لیے پُر فضا بن گئی اور بہترین بن گئی۔ جہاں لوگوں کے لیے دھوئیں اُٹھ رہے تھے۔ آپؑ کو خوشبو کی لپٹیں آ رہی تھیں لوگوں کو گرمی لگ رہی تھی اور آپؑ کو وہ پُرلطف لگ رہا تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی روایت ملتی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ جتنے دن میرے آگ میں گزرے وہ مزہ پھر دنیا میں کہیں نہیں دیکھا جو مزا وہاں تھا جو موسم وہاں تھا جس طرح وہاں کھاتے پیتے تھے جس طرح وہاں چند دن بسر ہوئے پھر زندگی بھر ایسی راحت نہیں ملی۔ بہت مزہ تھا یعنی آگ جلتی رہی لکڑیاں جلاتی رہی اور کہیں مہینے ڈیڑھ بعد جا کر ٹھنڈی ہوئی۔ آپؑ نے وہاں چند روز قیام فرمایا۔ اُس سے نکل گئے۔ اہلیہ بچوں کو ساتھ لیا، لوط علیہ السلام کو ساتھ لیا۔ ہجرت کر گئے۔ بادشاہ اسی آس پر بیٹھا رہا کہ جل کر راکھ ہو چکے ہوں گے آگ ٹھنڈی ہو گی تو ہڈیاں تلاش کریں گے تو آگ ٹھنڈی ہونے تک وہ ملک شام پہنچ چکے تھے اور جو حضرات فرماتے ہیں کہ آگ بجھ گئی چلو مان لیا آگ بجھ گئی لیکن آگ کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ بجھ جا۔ آگ کو حکم دیا گیا ابراہیم علیہ السلام کے لیے پُرلطف ہوجا۔ ابراہیم علیہ السلام کے لیے خوشگوار ہو جا زیادہ گرم رہ نہ زیادہ ٹھنڈی ہو اور انہیں لوریاں دے انہیں مزے میں رکھ اگر آگ بجھ ہی گئی تو اس حکم کی تعمیل کس نے کی؟ بھئی آگ جلتی رہی۔ الاؤ جلتا رہا، ہر چیز جلتی رہی، چٹختی رہی لیکن ابراہیم علیہ السلام کے لیے بادِ بہاری بن گئی۔ اہل فلسفہ کو اعتراض ہوتا ہے کہ تخلیقی طور پر جو جو عادت جس مخلوق کی ہے وہ بدلی نہیں جا سکتی۔ ارے بھئی میں اور آپ نہیں بدل سکتے جس خالق نے یہ عادت بنائی ہے اگر وہ بدل دے تو بدلی جا سکتی ہے۔ مخلوق کو وہ مزاج وہ عادت کس نے دی؟ جس نے پیدا کیا۔ وہ اس پہ قادر ہے، بدل دے تو آپ کو کیا اعتراض ہے ہاں میں اور آپ چاہیں تو نہیں بدل سکتے۔ وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ۔۔۔ اُنہوں نے تو اپنی طرف سے بڑی تجویز لڑائی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام کو سزا دینے کے لیے لیکن ہم نے اُنہیں نقصان میں ڈال دیا۔ ساری تجویزیں اکارت گئیں۔ اُن کی عزت و آبرو بھی اکارت گئی اُن کے بتوں کی شان بھی نہ بن سکی نہ وہ کچھ اُن کا بگاڑ سکے۔ اللہ فرماتے ہیں قادر میں ہوں۔ لوگ مخالف تجویزیں کرتے ہیں۔ لوگ مخالف باتیں کرتے ہیں۔ لوگ مخالف کوششیں کرتے ہیں۔ لیکن اگر تم میرے ساتھ رہو تو تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اگر مجھے چھوڑ کر تم بھی دوسری قسم کے لوگوں کی پناہ میں چلے جاؤ گے تو پھر تم جانو وہ جانے دیکھیے کیسی عجیب عقیدت ہے توحید سے کہ فرشتوں کے سردار بھی حاضر ہوئے اور اجازت چاہی تو آپؑ نے فرمایا جبرائیل آپ بھی جانتے ہیں کہ مجھے آگ میں کیوں پھینک رہے ہیں۔ میں نے کیا بگاڑا ہے؟ عرض کی اللہ کے لیے آپ نے اُن کے بتوں کو توڑا۔ اللہ کی توحید بیان کی۔ بتوں کی تردید فرمائی تو فرمایا اللہ کے لیے ڈال رہے ہیں۔ تو اللہ کو تو علم ہے اور وہ خود بچا بھی سکتا ہے تو پھر تمہارا اس میں کیا لینا دینا میں جانوں میرا اللہ جانے اُس کی مرضی ہے جل جاؤں تو جل جائیں گے۔ اُس کی مرضی ہے تو بچا لے گا۔ وہ سامنے ہے، جانتا ہے، دیکھتا ہے، سنتا ہے، توحید کا مزا تو یہ ہے نا! پھر اللہ ایسا قادر ہے اُس نے سیدھا آگ کو ہی کہہ دیا کہ اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم علیہ السلام کے لیے سلامتی کا سبب بن جا۔ چار دن ان کی خدمت کر۔ انہیں سنبھال لے، انہیں موج میں رکھ، ان کے لیے ٹھنڈی اور نسیم سحر بن جا اور خوشبوؤں سے بھر جا۔ جلتی رہ لکڑیوں کو جلاتی رہ ان کے لیے اپنی تاثیر بدل لے۔

اس کی تو ساری مخلوق ہے۔ اُس نے آگ ہی سے نہ جلانے کا کام لیا۔ ایسا قادر ہے کہ اُس نے آگ ہی کو حکم دیا کہ نہ صرف ان کو جلاتا نہیں بلکہ انہیں آسودگی میں رکھنا ہے۔ ان کی خدمت کرنی ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

شیخ المکرمؒ کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

(12 جون 2014)

سوال: شبِ قدر یا شبِ برأت کے حوالے سے بتائیں کہ یہ ایک ہی رات ہے یا الگ الگ راتیں ہیں؟ ان میں قبرستان جانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: یہ دو الگ الگ باتیں ہیں۔ شبِ قدر یا شبِ برأت جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ شبِ قدر ہی کی بات دھرائی گئی ہے۔ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ (القدر: 1) اب جب شبِ برأت کا ذکر ہے فِیۡهَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ (الدخان: 4) اس میں تمام حکمت کے کام طے کیے جاتے ہیں۔ تو کیا یہ ایک ہی بات نہیں ہے۔ بات ایک ہی رات کی ہوگی۔ علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ شبِ برأت کوئی الگ رات نہیں ہے۔ یہ ایک رات شبِ قدر کی بات ہو رہی ہے جس میں قرآن نازل ہوا اور جس میں حق و باطل سب لکھ دیا گیا۔ جس میں فرشتوں کی ڈیوٹیاں بھی لگتی ہیں۔ اب کچھ لوگوں نے اسے الگ بنالیا اور پھر بے شمار روایات گھڑلی ہیں، ان میں بے شمار فضائل داخل کر دیئے ہیں۔ اگر آپ جلسے جلوس نکالنا اور چندے دینا بند کر دیں تو یہ الگ نہ رہے، ایک ہی ہو جائے۔

میں اچھی طرح جانتا ہوں اور مجھے یاد ہے کہ ایک بہت بڑا دربار ہے اور وہاں سال میں ایک دفعہ کسی بزرگ کا عرس ہوا کرتا تھا۔ پھر ان کا وصال ہو گیا، صاحبزادے آ گئے۔ صاحبزادوں کی تعداد کچھ بڑھ گئی تو اُن کے اخراجات کچھ زیادہ ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ سال میں ایک دفعہ عرس کرنے سے تو پیسے تھوڑے آتے ہیں تو کچھ اور بھی کریں۔ اور کیا کریں؟ وہ تو اپنے بزرگوں کا عرس کرتے تھے۔ انہوں نے کہا، یار! شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا عرس شروع کرتے ہیں۔ یوں شیخ صاحب کا بھی عرس شروع ہو گیا اور سال میں دو عرس ہونے شروع ہو گئے۔ اب آگے ان کی اولادیں ہو گئیں۔ میں نے اُن کی تینوں پشتیں دیکھی ہیں تو اب وہاں تین چار عرس ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا عرس ہوتا ہے، اُن کے اپنے بزرگوں کا عرس ہوتا ہے، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا عرس ہوتا ہے، ایک گیارہویں شریف کا ہوتا ہے اور ایک اور بھی ہوتا ہے۔ تو چونکہ خاندان بڑھ گیا، اخراجات بڑھ گئے تو عرس بھی بڑھ گئے۔ کیونکہ چندہ عرسوں پر ہی جمع ہوتا ہے۔ یہ آپ کی مہربانی سے ہی شبِ براتیں بننا شروع ہوتی ہیں، آپ پیسے دینا چھوڑ دیں تو وہ سیدھے سیدھے ایک بات پر آ جائیں۔ لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ ہم یہاں چندہ دے کر بری ہو جائیں گے اور سارے گناہ پیر صاحب کے ذمہ چلے جائیں گے اور پیر صاحب کو بھی پتا ہوتا ہے کہ پیسے دو ہمارا تو پیٹ بھرے، گناہ تو اپنے خود ہی بھگتو گے، ہم اپنے ہی بھگتیں گے۔ تو بھائی یہ کاروبار کی بات ہے، یہ بڑھتے رہتے ہیں کہ آج فلاں عید آ گئی، آج فلاں آ گئی شبِ قدر بھی کوئی عید نہیں ہے۔ شبِ قدر میں بھی شب بیداری کا، عبادت کا، اللہ اللہ کرنے کا، ذکر اذکار کرنے کا، تلاوت کرنے کا حکم ہے، یہ کوئی عید نہیں۔ عیدیں دو ہی ہیں۔ سال میں رمضان کی ہے یا عید قربان جو نبی ﷺ کے عہد میں منائی جاتی تھیں، خلفائے راشدین کے عہد میں منائی جاتی تھیں۔ صرف دو عیدیں ہیں باقی ساری رسومات ہیں اور ایجاد کرنے والوں کے پیسے بٹورنے کا ذریعہ ہے۔

سوال: میری عمر اکتیس (31) سال ہے غزوۃ الہند میں شامل ہونے کی دلی تمنا ہے، غزوۃ الہند کب ہوگا؟

جواب: اللہ آپ کی تمنا قبول فرمائے۔ دیکھیں! میں نے شاید

کل بھی بات کی تھی کہ نسائی شریف کی حدیث مبارکہ جو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے اور اس میں وہ خود فرماتے ہیں کہ میں غزوۃ الہند کے لیے تیار ہوں کہ اگر مارا گیا تو بلا حساب جنت میں جاؤں گا اور زندہ رہا تو غازی کہلاؤں گا۔ تو بھی! جو حدیث مبارکہ کے راوی تھے حضرت ابو ہریرہؓ وہ خود اس میں شامل ہونے کو تیار تھے، اب تو انہیں دنیا سے رحلت فرمائے ہوئے چودہ صدیاں بیت گئیں اور جو اس کے لیے تیار ہیں تو اللہ اُن کی تیاری تو قبول فرمائے گا، انہیں تو اس کا اجر دے گا۔

کب ہوگا؟ یہ وقت کا تعین اللہ کے امور میں سے ہے اور وہ خود ہی جانتا ہے۔ موسیٰؑ کو بتا دیا کہ آپ کی بددعا سے فرعون غرق ہوگا، آپ کی دعا قبول ہوگئی ہے لیکن تاریخ نہیں بتائی، وہ برسوں بعد غرق ہوا۔ آپؑ قوم کو بھی حوصلہ دیتے تھے کہ صبر کرو، اللہ اسے تباہ کردے گا، یہ ملک یہ حکومت تمہیں مل جائے گی پھر تمہارا امتحان ہوگا تم کیا کرتے ہو۔ یعنی تاریخ نہیں دیا کرتے تھے۔ تو یہ تاریخ کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ تیار ہم بھی ہیں، ہم نے بھی اسی آس میں عمر کاٹی ہے، ہمارے بہت سے ساتھی اس تیاری میں پردہ فرما گئے۔ ایسے بہت سے تھے جو بوڑھے تھے، ایکسرسائز کرتے تھے کہ میں فٹ رہوں۔

سوال: شبِ برأت میں بیری کے پتوں سے نہا لیا جائے تو اس کو سارا سال سحر جادو نہیں ہوتا؟

جواب: شرعاً ایک حکم ہے کہ مردے کو جس پانی سے نہلاتے ہیں اس میں بیری کے چند پتے ڈال دو، یہ تو میں نے پڑھا ہے۔ تو یہ کسی نے تجویز کیا ہوگا کہ اسے غسل جنازہ دے دو تو پھر اس مردے پر کیا جادو ہوگا؟ یہ سب خرافات ہیں میرے بھائی! پیسے بٹورنے والوں کے بہانے ہیں۔ آج کل تو ٹی وی پر رات دن یہی پروگرام چلتے ہیں کہ یہ کرو تو یہ ہوجائے گا، وہ کرو تو وہ ہوجائے گا اور سب کا حاصل یہ ہے کہ آپ بتانے والے کو پیسے دیتے ہیں۔ رزق کے یہ حرام وسائل لوگوں نے تلاش کر لیے ہیں۔

حصولِ رزق کے معروف، حلال وسائل چار ہیں۔ کھیتی باڑی، مزدوری، ملازمت اور تجارت۔ یہ چار رزق کے معروف وسائل ہیں، پانچواں میرے علم میں نہیں ہے۔ اگر کوئی کسی کو تعویذ دیتا ہے اور اس سے اجرت لیتا ہے تو تعویذ پر اجرت حلال ہے، جائز ہے۔ اگر کوئی کسی کو دم کرتا ہے اور اس پر اجرت لیتا ہے تو وہ حلال ہے۔ کوئی کہتا ہے میں نے مکان بنوایا ہے اس میں قرآن کا ختم کردو، وہ کہتے ہیں اتنے پیسے دے دو تو وہ جائز ہے کیونکہ وہ علاج مقصود ہے مکان میں بھی علاج مقصود ہے۔ علاج کے پیسے جائز ہیں لیکن اُسے پیشہ بنانا جائز نہیں کہ اسی پر زندگی کا مدار ہو، یہ درست نہیں، یہ حصولِ رزق کا ذریعہ نہیں۔ اتفاقاً ایسا ہوگیا کہ آپ نے کسی کو دم کیا اور کہا کہ تمہیں شفاء ہوگئی مجھے پیسے دو تو یہ پیسے دم کے نہیں، علاج کے ہیں۔ کوئی لیتا ہے تو اچھی بات ہے لیکن اسی کو حصولِ رزق کا ذریعہ بنالینا درست نہیں کہ اسی پر عمر بیت جائے۔ اتفاقاً ایسا ہوگیا اور کسی نے کوئی تحفہ دے دیا کوئی ہدیہ دے دیا۔ پیسے دے دیئے تو وہ جائز ہے۔ اسی طرح کوئی بیمار پر قرآنِ کریم پڑھواتا ہے کہ پڑھ کر اس بیمار پر پھونک دیں، آپ کہتے ہیں، اتنے روپے دو تو میں دم کرتا ہوں تو درست ہے۔ اسے علاج چاہیے ناں، علاج کے پیسے ہیں لیکن ایک آدمی فوت ہوگیا، کوئی کہتا ہے میرے باپ کے لیے ختمِ قرآن کردو تو وہاں روٹی کھانا بھی حرام ہے۔ قرآن کی اجرت جائز نہیں ہے۔ اگر ایک بندے نے ختم کروایا پھر اس نے حلوہ پکایا۔ پڑھنے والوں نے حلوہ کھالیا تو پڑھانے والے نے اجرت دے دی پڑھنے کی۔ پڑھنے والوں نے حلوہ کھالیا، تو نہ پڑھنے کا ثواب بنا نہ پڑھانے کا۔ ثواب کیا ہوتا ہے یہ تو ایک تجارت تھی ایک دوسرے نے ایک دوسرے کا کام کردیا، مردے کو کیا ملے گا؟ کوئی ثواب نہیں ملا مردے کو، ہاں شہرت ہوجائے گی۔ ایک دفعہ اتفاق ہوا، ہم گاؤں کی مسجد میں نمازِ عصر کے لیے وضو کررہے تھے تو اس وقت ہمارے گاؤں کی مساجد کے ائمہ اور متعلقہ لوگ وہاں تھے۔ ظہر، عصر کی نمازوں میں عموماً عام لوگ تو کم ہی ہوتے ہیں۔ کاشتکار، زمیندار چرواہے گاؤں سے باہر ہوتے ہیں یہی لوگ ہوتے ہیں۔ دکاندار ہوگئے یا یہ مسجدوں کے لوگ ہوگئے۔ تو وہ پانچ سات لوگ تھے اور وضو کررہے تھے اور ایک حافظ صاحب تھے بڑے اچھے آدمی تھے فوت ہوگئے، اللہ مغفرت کرے۔ میں بھی وہاں وضو

کر رہا تھا تو وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ فلاں کی قبر پر ہم نے ختم پڑھا ہے تو ان کے گھر کھانا کھانے جانا ہے تو وہ حافظ صاحب کو بھی کہہ رہے تھے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔ تو انہوں نے کہا کہ میں وہاں سے کسی کام کے لیے گزرا، وہاں لوگوں کو بیٹھے دیکھا تو وہاں گیا اور سورت یٰسین پڑھ لی اور گھر آ گیا، نہ انہوں نے مجھے پڑھنے کو کہا نہ مجھے دعوت دی تو میں کھانا کھانے کس بات پر جاؤں؟ بھئی! تم لوگ جاؤ تم لوگوں کو تو انہوں نے کہا تھا کہ ختم پڑھو اور کھانا کھانے آنا۔ میں بیٹھا وضو کر رہا تھا تو میرے منہ سے بے خیالی میں نکل گیا، اچھا ہے کم از کم مردے کو سورت یٰسین کا ثواب تو پہنچ جائے گا اور آپ حرام کھانے سے بچ جائیں گے، تو اس پہ وہاں شور ہو گیا کہ آپ نے کھانے کو حرام کہہ دیا۔ میں نے کہا کہ چلو نماز پڑھتے ہیں پھر یہ مسئلہ دیکھتے ہیں۔ بڑا شور ہوا کہ آپ نے حرام کہہ دیا۔ میں نے کہا یہ ہے تو حرام، آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں وہ اور بات ہے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ سارے تو حلوہ کھانے چلے گئے، حافظ صاحب نے مجھے پکڑ لیا کہ مجھے بتاؤ تو میں نے کہا کہ کوئی فقہ کی کتاب آپ کے گھر پر ہے؟ بالکل ہے، تو میں نے کہا، چلو چلتے ہیں۔ ہم دونوں مسجد سے نکلے۔ مسجد اور میرے گھر کے درمیان اُن کا گھر آتا تھا۔ تھوڑی گلی سے لمبا راستہ لینا پڑتا تھا، اس راستے پر ہو لیے۔ ان کے گھر گئے وہ کتاب لے آئے جو اردو میں تھی، حوالے عربی میں تھے، ترجمہ تھا، مسائل تھے۔ میں نے کہا حافظ صاحب! آپ ہی مسائل میں سے ختم قرآن کا مسئلہ نکالیں۔ انہوں نے نکالا۔ وہاں لکھا ہوا آ گیا کہ آپ بیمار کے علاج کے لیے ختم کرتے ہیں تو کھانا بھی جائز ہے، اجرت بھی جائز ہے۔ مرنے والے کے ایصال ثواب کے لیے کرتے ہیں تو کھانا حرام ہے، اجرت حرام ہے۔ میں نے کہا! حافظ صاحب اب؟ کہنے لگے مسئلہ حق ہے لیکن مولانا صاحب آپ کو ایک بات بتاؤں، بغیر کھانے کے ہم پڑھیں گے نہیں کہ ہم کھانا گھر سے کھائیں اور ختم لوگوں کے پڑھیں، یہ ہم نہیں کریں گے اور ہم پڑھیں نہیں اور لوگ ہمیں کھانا دے دیں یہ لوگ نہیں کریں گے۔ میں نے کہا کہ اس سے بہتر ہے کہ پڑھو نہیں اور جا کر کھانا کھا لو اللہ کے نام پر کہ اللہ کے نام پر جو چند لوگوں کو کھانا کھلانے کا ثواب ہے وہ تو مردے کو پہنچ جائے، تو کہنے لگے کہ جی بغیر پڑھے لوگ ہمیں حلوے کھلائیں یہ بھی ممکن نہیں ہے، لوگ ایسے نہیں ہیں اور بغیر کھائے ہم پڑھیں یہ ہم بھی نہیں کریں گے۔ مسئلہ ٹھیک ہے مان لیا، کام وہی ہوگا۔

تو یہ تعویذ دھاگے کو یا دم درود کو پیشہ بنا لینا یہ جائز نہیں ہے اگر یہ پیشہ جائز ہوتا تو ہماری تو روزانہ کی ہزاروں کی آمدن ہو جاتی۔ جتنے لوگ تعویز لے جاتے ہیں کوئی پانچ دس روپے بھی فی کس لگاتے تو ایک صندوقچی تو بھر جاتی۔ یہ تو اللہ کی عطا ہے اگر کسی کا کوئی مسئلہ حل ہوتا ہے، کام ہوتا ہے تو اچھی بات ہے لیکن یہ حصولِ رزق کے پیشوں میں نہیں ہے، نہ کسی نبیؑ نے کیا نہ کسی صحابیؓ نے کیا، نہ کسی تابعیؒ نے کیا۔ متقدمین میں سے اسے کیا کسی نے پیشہ بنایا ہے؟ آپ نے پڑھا یا سنا؟ تو پھر یہ کیسا پیشہ ہے؟ یعنی یہ پیشہ نہیں ہے کہ اس پر عمر بسر کی جائے کہ یہ فیس لی جائے جن نکالنے کی اور یہ فیس لی جائے بخار کی۔

میں ایک دنیا کو تعویذ دیتا ہوں، لوگوں کو شفاء ہو جاتی ہے، خود سب سے زیادہ بیمار رہتا ہوں۔ میرے بس میں ہے تو خود ٹھیک کیوں نہیں ہوتا، میرے بس میں نہیں ہے بھائی، اللہ کا نام لکھ کے دیتا ہوں اور میں اس لیے تعویذ دیتا ہوں کہ نہیں دیں گے تو یہ کسی بے دین کے ہتھے چڑھیں گے۔ وہ ان سے پیسے بھی لے گا اور ان کا دین بھی خراب کرے گا ورنہ جتنی کوفت مجھے تعویز لکھنے میں ہوتی ہے اور جتنا وقت میرا اس میں ضائع ہوتا ہے اس کا مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے کہ کیوں اتنا وقت ضائع ہوا، کوئی تعمیری کام کوئی مطالعہ ہی کر لیتے، کوئی مراقبہ ہی کر لیتے، ذکر ہی کر لیتے۔ یہ کیا فضول کام آ گیا ہے کہ یہاں درد ہے وہاں درد ہے۔ سارا دن لکھتے لکھتے گزر گیا۔ دوسرے تیسرے دن بال پین ختم ہوا ہوتا ہے۔ کاغذوں کا پلندہ ہر دوسرے دن رکھتے ہیں۔ یہ شوق نہیں ہے، نہ یہ حصول رزق کا ذریعہ ہے، نہ اس کو حصول رزق کا ذریعہ بنانے کا جواز میری سمجھ میں آتا ہے۔ ہاں! دو فائدے ہیں اس کے کہ اللہ کا نام ہوتا ہے، خلوص سے دیا جاتا ہے، لوگوں کو شفاء ہو جاتی ہے۔ ایسے ایسے مریض جنہیں ڈاکٹر جواب دے دیتے ہیں، کینسر کے مریض اور اس

طرح کے، اور اللہ کرتا ہے وہ ٹھیک ہوجاتے ہیں۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے اوران کا فائدہ ہوجاتا ہے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہم نہیں دیں گے تو یہ بے دینوں کے پاس جائیں گے وہ ان سے پیسہ بھی لیں گے، پیسے کی تو خیر ہے ایمان بھی خراب کردیں گے عقیدہ بھی خراب کردیں گے۔ اللہ کی راہ میں یہ کام کیا جاتا ہے۔

حصول رزق کے جو معروف پیشے یا ذرائع ہیں وہ چار ہیں۔ کاشتکاری، مزدوری، ملازمت اور تجارت، پانچواں کوئی ذریعہ حصول رزق کا میری سمجھ میں نہیں ہے۔ تو یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں حصولِ رزق کے ذرائع نہیں بنائے جاسکتے۔ میاں! اپنے رزق کو مکمل حد تک حلال اور جائز رکھو۔ حلال اور طیب، یہ دو شرطیں ہیں رزق میں، چونکہ کردار کا ان پر بہت بڑا مدار ہے۔ جس طرح جسمانی صحت کا مدار ہے کہ کوئی مضرِ صحت چیز نہ کھاؤ تو آپ کی صحت درست رہے گی، کبھی مضر چیز کھائیں گے تو آپ بیمار ہوجائیں گے، اسی طرح روحانی صحت کا مدار رزق پر ہے۔ حلال کھائیں گے، روح میں تقویت ہوگی تو وہ اللہ اللہ بھی کرے گی اور یہ ایک دوسرے سے متعلق ہوتے ہیں۔ اور اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اتنی اللہ اللہ کریں کہ مزاج حرام سے ہٹ جائے اور اصلاح ہوجائے، توبہ کی توفیق مل جائے۔ اللہ اللہ پر محنت کریں گے تو یہ توفیق ارزاں ہوگی۔ حلال کھائیں گے، نیکی کریں گے تو اللہ اللہ کے اثرات بہت زیادہ مرتب ہوں گے۔ اللہ کریم اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

سوال: کئی لوگوں کی طرف سے یہ وسوسہ پیدا کیا جاتا ہے کہ آپ کو اور سلسلہ کے طریقہ کار کو علماء دیوبند نے پسند نہیں کیا۔ جبکہ مشائخ کو علماء کی حمایت حاصل ہے اور یہی علماء امام مہدی کو پہچاننے کا ذریعہ ہوں گے۔ جن بزرگوں کو حمایت حاصل ہے مثلاً خواجہ خان محمدؒ کندیاں شریف اور حکیم اختر شاہ صاحب کراچی والے، پیر ذوالفقار نقشبندی جھنگ والے۔ اس بارے میں وضاحت فرمائیں۔ (10 جولائی 2012ء)

جواب: جہاں تک تصوف کا تعلق ہے وہاں تک اگر آپ علمائے دیوبند متقدمین کو سمجھتے ہیں تو ان سب کی تصنیفات تصوف کے موضوع پر موجود ہیں۔ ہمارے پاس لائبریری میں موجود ہیں جن میں طریقہ ہائے ذکر کی تفصیل ہے اور دیگر تفصیلات بھی ہیں کہ ذکر کے اوقات کیا ہیں، کیفیات کیا ہوتی ہیں۔ متقدمین علماء دیوبند کی اور دوسرے محققین کی تقریباً ڈھائی سو سے زائد کتابیں ہماری لائبریری میں موجود ہیں۔ اس لیے کہ وہ سارے صوفی تھے اور انہوں نے اس فن کو آگے سکھایا۔ اب اگر موجودہ دور میں کچھ ایسے حضرات آگئے ہیں جن کا علم، جن کا ورع وتقویٰ یا نیکی الحمدللہ! قابل رشک ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر نیک آدمی ہر عالم آدمی صوفی بھی ہو۔ تو موجودہ دور کے بزرگوں سے جو آج کل دیوبند میں ہیں میری گزارش یہی ہوگی کہ وہ متقدمین کی، اپنے علماء دیوبند کی کتابیں پڑھ لیں۔ رہ گئی یہ بات خواجہ خان محمدؒ عہد حاضر کے بہت عظیم بزرگ تھے۔ لیکن کیا کوئی شخص مجھے یہ بتا سکتا ہے کہ انہوں نے کسی ایک آدمی کو لطیفہ قلب بھی کرایا ہو؟ حکیم اختر شاہ صاحب کراچی والے بزرگ ہستی تھے، نیک آدمی تھے لیکن کوئی ایک بندہ آپ پیش کرسکتے ہیں جسے انہوں نے لطائف بھی کرائے ہوں؟ پیر صاحب جھنگ والے بھی نیک آدمی تھے۔

یاد رہے! بیعت دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک بیعتِ اصلاح ہوتی ہے۔ یہ بزرگ تو اہل علم بھی تھے، اہل ورع تقویٰ بھی تھے۔ بیعتِ اصلاح ہر اس بندے سے بھی کی جاسکتی ہے جو روزمرہ کے معمولات کا شرعی طریقہ بھی جانتا ہو، عالم ہو یا نہ ہو۔ تو وہ پورا عالم نہ بھی ہو، روزمرہ کے معمولات کے بارے شرعی طریقہ جانتا ہو تو بیعتِ اصلاح اس سے بھی کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ روزمرہ کے معمول میں راہنمائی درکار ہوتی ہے۔ بیعتِ تصوف کے لیے شرط یہ ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ کی جائے جو کم از کم فنافی الرسول کراسکتا ہو۔ تو آپ ان بزرگوں میں سے کسی کا کوئی حوالہ دے سکتے ہیں؟ اگر نہیں، تو پھر آپ کی دلیل میں تو کوئی وزن نہیں ہے۔ ہر شعبہ زندگی کے لوگ ہیں۔ اور ہر گل را رنگ و بوئے دیگر است

علماء ظواہر کا اپنا مقام ہے اور یہ لوگ قوم کی ضرورت ہیں اور ارشاداتِ نبوی ﷺ کے اور ارشاداتِ باری کے امین ہیں۔ لیکن یہ عقائد واعمال میں ظاہری اصلاح کے کاریگر ہوتے ہیں۔ کیفیات سے

ان کا تعلق نہیں ہوتا علم ظاہری کی اپنی عظمت ہے۔ تو اب اگر کوئی صاحب حال یا کوئی صوفی بزرگ نہیں ہے تو وہ ان باتوں کو نہیں سمجھے گا۔

میری رائے میں تو میرے کئی رسالے پرنٹ ہوئے ہیں دیو بند میں۔ پچھلے دنوں ایک ساتھی امریکہ سے آئے اور وہاں سے وہ حضرت جیؒ کی تصنیف حیاتِ برزخیہ لے آئے جو دیو بند کی چھپی ہوئی تھی، ہماری لائبریری میں رکھی ہے۔ اور میں نے امریکہ کی بھی مغربی سرحد سان فرانسسکو کی ایک کتابوں کی دکان پر دیکھی تو میں خرید کر لے آیا ہوں۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ دلیل کس کے پاس ہے کہ علماء دیو بند رد کرتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی عالم، عالم بھی ہے نیک بھی ہے لیکن وہ اس فن سے واقف نہیں ہے تو جو زیادہ مناسب الفاظ استعمال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں۔ ہمیں اس فن کی خبر نہیں ہے۔ اس کے بارے ہم رائے نہیں دیتے۔ بعض وہ حضرات جو کوئی اعتراض کر دیتے ہیں، ان کا اعتراض کرنا نامناسب ہے کیونکہ ہر فن پر اس فن کے لوگوں کو ہی اعتراض کرنے کا حق ہوتا ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

بقیہ صفحہ نمبر 40 سے آگے

بقیہ صفحہ نمبر 40 سے آگے

اگر وہ للہ فی اللہ، خلوص نیت سے اللہ کی رضا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے لیے اعتکاف بیٹھا ہے۔ اگر نمائشی بیٹھا ہے کہ لوگ سمجھیں کہ بڑا پارسا ہے ہر سال اعتکاف بیٹھتا ہے، وہ اور بات ہے۔ اللہ ہی جانے۔ نہ آپ میری نیت سے واقف ہیں، نہ میں آپ کی نیت سے۔ لیکن جو لوگ خلوص سے بیٹھے ہیں ہر ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اب اسے کون پہنتا ہے، کون اسے برتتا ہے، کون اسے اپنا لباس بناتا ہے اور کون اسے وہیں رکھ کر گھر چلا جاتا ہے؟ یہ الگ بات ہے۔

تو ان دونوں باتوں کا خیال رہے۔ اللہ نے نصیب کی ہے تو اسے پھر پہنے، استعمال کرے۔ اسے زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیں تاکہ باقی لمحات اسی شب قدر کے زیر اثر بسر ہوں۔ اللہ کریم سب کو نصیب بھی فرمائے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ (آمین)

ضرورت رشتہ

ایک لڑکی جس کی عمر 25 سال، قد پانچ فٹ آٹھ انچ، تعلیم ایم اے کی طالبہ، ذات راجپوت، رہائش لاہور، کے لیے سلسلہ عالیہ سے تعلق رکھنے والے حضرات درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔ شکریہ

0323-7067186

قارئین اپنی صوابدید پر معاملہ کریں۔ ادارہ خدا کسی بات کا ذمہ دار نہیں ہے ہر قسم کی ذمہ داری سے مستثنیٰ ہے

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی کا چینل ''۵'' پر ہفتہ وار پروگرام

''المرشد'' کے عنوان سے تصوف پر سوال و جواب کا پروگرام ہر جمعہ گیارہ بج کر دس منٹ پر ٹیلیویژن چینل ''۵'' سے نشر ہوتا ہے، ساتھیوں سے التماس ہے کہ خود بھی پروگرام باقاعدگی سے دیکھیں اور دیگر حضرات کو بھی دعوت دیں۔

بقیہ صفحہ 47 سے آگے

بقیہ صفحہ 47 سے آگے

کفار مکہ تو اس وقت کچھ دیر کھڑے مشاورت کر کے لوٹ گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تین دن اور تین راتیں اس غار میں قیام فرمایا اور پھر تیسرے دن جب یہ اطمینان ہو گیا کہ تلاش کرنے والی ٹولیاں مایوس ہو کر بیٹھ گئی ہیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہمراہ لے کر مدینہ شریف کی طرف تشریف لے چلے۔

دعائے مغفرت

راولپنڈی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی صوبیدار علی اکبر صاحب
راولپنڈی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد اصغر کی والدہ محترمہ
کوٹلی، آزاد کشمیر سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی سیف علی نکیال صاحب
کوٹلی، آزاد کشمیر سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی غلام رسول صاحب
کوٹلی، آزاد کشمیر سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی حاجی عدالت صاحب
مٹھہ نوالہ، خوشاب سے سلسلہ عالیہ کی ساتھی بیگم قاری نور الٰہی صاحبہ
ضلع بہاولنگر سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد دین مہار کی بیٹی صاحبہ
گجرات سے سلسلہ عالیہ کی ساتھی ثمینہ طاہر کے والد محترم
وفات پا گئے ہیں۔ دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

یہ معاملہ بڑا نازک ہے

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:69)

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔۔۔ جو لوگ صرف ہمارے لیے یعنی میری ذات کے لیے، میرا قرب پانے کے لیے کوشش کرتے ہیں، جدوجہد کرتے ہیں۔ جَاھَدُوْا فِیْنَا۔۔۔ میری ذات کی رضا پانے کے لیے، صرف میرے لیے محنت کرتے ہیں، ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیتے ہیں، اپنے راستوں پہ چلا دیتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس بندے میں طلب الٰہی پیدا ہوتی ہے، اللہ کی رضا کی طلب پیدا ہوتی ہے، اللہ کریم اسے ایسے لوگوں کے پاس پہنچا دیتا ہے جو اس معاملے میں اس کی رہنمائی کرتے ہیں، اس کی تربیت کرتے ہیں۔ اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ ذکرِ الٰہی کے لیے یا قربِ الٰہی کی تلاش میں آتے ہیں، وہی یہاں پہنچتے ہیں اور راز کارانہی کو نصیب ہوتے ہیں۔

بنیادی طور پر تو ہر کوئی، جب اس میں طلب پیدا ہوتی ہے تو اس طرف آتا ہے لیکن آگے نفس بھی ساتھ ہے، شیطان بھی ہے، بشری کمزوریاں بھی ہیں۔ اس لیے سالک جب اِدھر آتا ہے تو مقابلہ اور بھی سخت ہو جاتا ہے۔ شیطان کوشش کرتا ہے، نفس کو بھی بھاگنے کی فکر ہوتی ہے کہ مجھ پر کونسی مشقت لاد دی گئی۔ بہرحال بندے میں خلوص رہے تو اللہ اسے قائم رکھتے ہیں۔ لیکن کتنے ہی درجات حاصل کر لے، کتنے بھی اسباق یاد کر لے، جب بھی کہیں خلوص میں کمی آجائے تو آنِ واحد میں سب کچھ ضائع ہو جاتا ہے۔ خلوص میں کمی کیسے آتی ہے؟ بندہ خود کو اہم سمجھنے لگتا ہے اور چھوٹے چھوٹے جو منافع ہیں، ان کی طرف پلٹ جاتا ہے کہ مجھے نیک سمجھا جائے یا بہت پارسا سمجھا جائے۔ اور جب ''میری'' بات آ گئی تو اللہ کی بات تو جاتی رہی نا۔ یا پھر جب اس کے گرد لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو وہ دنیوی منافع کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ پیسے جمع کر لوں، ان سے یہ کام کروالوں، وہ کروالوں یہ چیزیں راستہ کی رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ دمِ واپسیں تک، آخری دم تک انسان آزمائش میں ہے اور جس کو جتنا اللہ کی طرف سے انعام ملتا ہے، منازل ملتے ہیں تو اتنا ہی معاملہ سخت ہو جاتا ہے اور اسے بہت زیادہ احتیاط کرنا پڑتی ہے۔ بہرحال اللہ پر بھروسہ رہے اور اللہ کی رضا کی طلب رہے تو کوئی خطرہ نہیں۔ خطرہ تب پیدا ہوتا ہے جب انسانی کمزوریوں کی وجہ سے بندہ اپنی پسند کی طرف پلٹ جائے اور اس پہ یہ جو طالب اور مریدین جمع ہو جاتے ہیں تو یہ بھی بڑی ابتلاء بن جاتے ہیں۔ کوئی پاؤں دبا رہا ہے، کوئی ہاتھ چوم رہا ہے، کوئی کچھ کر رہا ہے تو کوئی کچھ۔ ان ساری مصیبتوں سے نکل کر استقامت سے رہنا کہ میں ایک ذرۂ بے مقدار ہوں، میں اللہ کا طالب ہوں، مجھ میں بڑائی نہیں ہے، بڑا صرف اللہ کا نام ہے۔ یہ توفیق اللہ کی طرف سے ہی ہو تو ہو، ورنہ یہ بڑی محنت بڑے مجاہدے کا کام ہے کہ یہاں آ کر لوگ عموماً مار کھا جاتے ہیں۔

بہرحال بنیادی طور پر آتا وہی ہے جسے اللہ کی رضا کی طلب ہو۔ اب اس دریا میں چھلانگ لگانا ایک بات ہے، پار پہنچنا دوسری بات ہے۔ میں عرض یہ کرنا چاہتا تھا کہ بعض دوستوں کو اللہ کریم ایک نعمت عطا

کردیتا ہے، وہ صاحب مجاز بن جاتے ہیں۔ طالب ہو کر آتے ہیں لیکن پھر استاد بن جاتے ہیں۔ اللہ کریم کا اپنا نظام ہے۔ جب اللہ کریم نے ان نعمتوں کو آگے چلانا ہے تو اس طرح کے لوگ بھی پیدا فرمائے گا۔

الحمدللہ! طالبین کے ساتھ مجازین محنت کرتے ہیں اور یہ کوشش اس لیے ہوتی ہے کہ اس نسبتِ اویسیہ کی بنیادی خصوصیت یہ ہی ہے کہ ہر طالب کو روحانی طور پر بارگاہ رسالت پناہی ﷺ میں پہنچایا جائے۔ لہٰذا یہاں ہماری بھی اور مجازین کی بھی کوشش یہ ہوتی ہے کہ محنت کرائی جائے اور اسے روحانی طور پر بارگاہ رسالت پناہی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں پہنچایا جائے۔ اب ان چیزوں کے لیے بنیاد تعاملِ بالشریعہ ہے۔ ذکر کرے، ذکر پر محنت بھی کرے لیکن اپنا نصابِ زندگی بھی دیکھے۔ اگر رزق حلال نہیں ہوگا، بنیاد ہی نہیں ہوگی تو اُوپر عمارت کیسے بنے گی۔ تو جہاں ذکر میں محنت کرنا پڑتی ہے وہاں بنیاد یہ ہے کہ اپنے کردار کو درست کرنا پڑتا ہے اللہ توفیق دے اور کردار میں بھی بہتری آجائے۔

ایک اور بڑی غلطی یہاں صاحبینِ مجاز کو یہ لگتی ہے کہ جب وہ ساتھیوں کو ذکر کراتے ہیں ان کے ساتھ بارگاہِ رسالت پناہی ﷺ تک ان ساتھیوں کی ارواح بھی چلی جاتی ہیں، پھر وہ سفارش کر کے یہاں بھیجتے ہیں کہ بیعت کرائی جائے۔ یہاں آتے ہیں تو بیعت نہیں ہوتی۔ تو کیا وہ غلطی کرتے ہیں یا یہاں ہم زیادتی کرتے ہیں؟ کیوں نہیں ہوتی؟ صورت یہ ہوتی ہے کہ مجازین حضرات یہ خیال نہیں کرتے کہ اس کی روح میں خود قوتِ پرواز بھی ہے یا نہیں؟ بارگاہِ رسالت تک جارہی ہے یا میرے ساتھ بیٹھ کر جاتا ہے تو چلی جاتی ہے، جب وہ شخص خود ہوتا ہے تو نہیں جاسکتی؟ یہ مجازین کو خیال رکھنا چاہیے۔ یہ الگ بات ہے کہ جب میں ذکر کرارہا ہوں اور میں توجہ دوں تو کسی کی روح بارگاہِ رسالت تک چلی جائے یہ ایک بات ہے۔ لیکن بیعت تو اس کی ہوگی جو الگ بیٹھ کر بھی ذکر کرے اور اپنے آپ اس کی روح بارگاہِ رسالت تک پہنچے۔ تو اکثر یہاں صاحبِ مجاز حضرات کو دھوکا لگتا ہے اور سفارش کر کے بھیج دیتے ہیں۔ جب یہاں ساتھی آتے ہیں تو دیکھا یہ جاتا ہے کہ اس کی روح توجہ دینے سے پہنچتی ہے، یا اس میں اتنی استعداد آگئی ہے کہ از خود جب ذکر کرتا ہے تو اس کی روح بارگاہِ رسالت میں پہنچ جاتی ہے۔ تو اکثر ایسا ہوتا ہے ان کی روح میں اتنی استعداد نہیں ہوتی کہ از خود وہاں پہنچے۔ یہ معاملہ بڑا نازک ہے۔ اب کسی کی روح میں تو استعداد نہیں اور اس سے جھوٹ بول دینا اور کہنا کہ تمہاری بیعت ہوجائے گی تو یہ بڑی زیادتی ہے۔ کل روز قیامت اللہ کے حضور جانا ہے اور بارگاہِ رسالت ﷺ میں پیش ہونا ہے، وہاں کیا جواب ہوگا؟ حضور ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کرے عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ (متفق علیه. أبو داؤد) یہ تو بھائی سیدھی سیدھی دوزخ کی وعید ہے کہ بندہ حضور ﷺ کے نام پہ جھوٹ بولے یہ نہیں ہوسکتا۔

بعض دوستوں کو شکایت ہوتی ہے کہ ہم یہاں سے سفارش کر کے بھیجتے ہیں وہاں ساتھی سختی کرتے ہیں اور روک لیتے ہیں یا بیعت نہیں کراتے۔ ایسی بات نہیں ہے۔ کوئی سختی نرمی نہیں کرتا جس طرح بیعت کرنے والے کی آرزو ہوتی ہے یا صاحبِ مجاز کی خواہش ہوتی ہے کہ میرے ساتھی کی بیعت ہوجائے اس سے زیادہ ہماری خواہش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو یہ نعمت نصیب ہو۔ یہاں تو صرف طلب دیکھی جاتی ہے۔ جس میں طلب ہے وہ امیر ہے یا فقیر ہے، عالم ہے یا غیر عالم ہے، جو بھی ہے، جس میں طلب ہے، جسے اللہ عطا کرے اسے نصیب ہو۔ بہت بڑی بات ہے، کوئی روکتا نہیں لیکن یہ ضرور دیکھنا پڑتا ہے کہ اس کی روح میں استعداد پیدا ہوگئی ہے یا نہیں۔ مجازین حضرات سے بھی میری درخواست ہے کہ وہ ایک بات یاد رکھیں، بعض لوگوں کو مشاہدہ ہوجاتا ہے، کشف ہوجاتا ہے، چلو اللہ کی عطا ہے۔ جسے کشف نہ ہو، اسے وجدان ضرور ہوتا ہے، اس کے دل کو یقین ہوجاتا ہے کہ یہ کام ہو رہا ہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو کشف نہیں ہوا تھا، ان پر جو القاء ہوا کہ بچے کو دریا میں ڈال دیں تو یہاں ان کے وجدان نے اس کی تصدیق کی۔ انہیں اتنا یقین ہوگیا کہ انہوں نے نوزائیدہ بچہ اٹھا کر دریا میں ڈال دیا۔ تو انہیں کشف نہیں ہوا تھا نہ کشف کا کوئی تذکرہ قرآن کریم

میں ملتا ہے۔ اتنا ہی ملتا ہے کہ وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی (قصص:7) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر القاء کیا ان کے دل میں بات ڈالی۔ پھر اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں کہ شاید دریا میں ڈالنے کے بعد وہ شور مچا دیتیں لَوْ لَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِھَا (قصص:10) یعنی اس کے قلب کے ساتھ ہم نے رابطہ کیا اور اسے مضبوط کر دیا۔ جسے بھی مراقبات نصیب ہوتے ہیں، مشاہدہ نہ بھی ہو اس کا وجدان اتنا قوی ہوتا ہے کہ اس کا دل قائم ہو جاتا ہے، اسے تسلی ہو جاتی ہے۔ تو ساتھی کو کشف نہ ہو تو اس کا وجدان ہی پوچھ لیا کریں۔ اگر وہ بھی متذبذب ہے کہ ہوا ہے یا نہیں تو مطلب یہ ہے کہ نہیں ہوا۔ صاحب مجاز یا شیخ کے ساتھ ارواح کا چلے جانا اور بات ہے میں یہاں روز مراقبات کراتا ہوں شاید یہاں لطائف والے جو طالب ہیں، ان کی ارواح بھی کھنچی چلی جاتی ہیں لیکن اس سے انہیں مراقبہ تو نصیب نہیں ہوتا وہ تو تب ہوگا جب روح میں اپنی قوت آئے اور جب وہ خود مراقبہ کرے تو اس کی روح بارگاہِ رسالت میں پہنچے تو بیعت کے قابل تب ہوگا۔ یہ نہ سوچا جائے کہ یہاں کوئی ایسا بندہ ہے جو چاہتا ہے کہ آپ کی بیعت نہ ہو بلکہ ہماری تو آرزو ہوتی ہے۔ ہم نے زندگی اس کام میں لگا دی ہے ہماری خواہش ہوتی ہے کہ ہر ساتھی کو یہ نعمت نصیب ہو۔ تو میری مجازین سے درخواست ہے کہ ساتھیوں کے معاملات بھی دیکھا کریں، معاملات بنیاد ہیں۔ اب بعض حضرات کی سفارش آ جاتی ہے اور ان کی پانچ نمازیں بھی پوری نہیں ہوتیں۔ ایک بندہ پانچ نمازیں ہی پوری نہیں کرتا تو کس کی جرأت ہے کہ اسے بارگاہِ رسالت میں لے جائے کہ جی اسے بیعت کر لیں۔ معاملات درست نہیں ہوتے تو یہ ساری چیزیں دیکھا کریں اور معاملات بنیاد ہیں۔ یہاں آ کر یہی چیزیں دیکھی جاتی ہیں، سارے معاملات درست ہوں تو پھر اس پر بھی روح میں قوتِ پرواز ہونی چاہیے کہ وہ بندہ اکیلا بیٹھ کر مراقبہ کرے تو اس کی روح بارگاہِ رسالت میں پہنچے تب وہ بیعت کے قابل ہوتی ہے۔ تو میری یہ درخواست ہے مجازین حضرات سے کہ یہاں آپ کو بہت دھوکا لگتا ہے آپ ساتھ ذکر کراتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ روح میرے ساتھ گئی ہے تو ٹھیک ہے۔ آپ کے ساتھ روح کا جانا اور بات ہے از خود وہاں پہنچ جانا دوسری بات ہے۔ تو اللہ سب کو توفیق دے۔ کوئی اسی طلب میں لگا ہوا ہو تو اللہ قادر ہے۔ بڑے عجائبات قدرت ہوتے ہیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ ہم ایک دن گجرات کے دیہات کی طرف جا رہے تھے کہ ایک ساتھی کے پاس جانا تھا۔ عموماً میں ڈرائیور ہوتا تھا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ ساتھ تھے، دو تین ساتھی بھی ساتھ تھے۔ ایک کچی سی سڑک تھی جیسے دیہات میں جاتی ہیں۔ ہم ایک جگہ سے گزرے، حضرت جیؒ نے فرمایا کہ گاڑی روکو، گاڑی ایک سائیڈ پہ کھڑی کر دی۔ سڑک کے کنارے پر ایک اونچی سے جگہ ڈھیری کی شکل میں تھی، اس پر ایک قبر تھی۔ حضرت کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے مراقبہ کرتے رہے پھر کہا کہ چلیں۔ چل پڑے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے کیوں رکوایا تھا تو آپ نے فرمایا، تم نے دیکھا کہ وہاں ساتھ میں قبر تھی۔ یہ شخص ساری عمر سلوک تلاش کرتا رہا، ملکوں ملکوں پھرتا رہا، جہاں تک اس کی رسائی ہو سکی۔ اسے کوئی اللہ اللہ بتانے والا نہیں ملا۔ اسی طلب میں مر گیا تو آج ہم یہاں سے گزرے تو میرے دل میں اللہ نے بات ڈال دی کہ اسے کچھ مراقبات کرانے چاہئیں تو میں نے اسے لطائف کرائے، مراقباتِ ثلاثہ کرائے۔ یہ تھا اس کا نصیب جو اس کو ملنا تھا۔ نظام قدرت کو دیکھیں، کیا عجیب نظام ہے! اب پتہ نہیں وہ کب کا فوت شدہ تھا، کوئی نہیں جانتا تھا۔ یہ کون تھا، کیا نام تھا، پرانی قدیم، غیر معروف قبر تھی لیکن اللہ نے اس کا حصہ اس تک پہنچا دیا۔ تو یہ تو طلب کی بات ہے۔ طلب صادق رہے، خالص رہے تو اللہ کریم محروم نہیں رکھتے۔ مرنے کے بعد بھی انتظام کر دیتے ہیں تو کتنی عجیب بات ہے، اس کا کتنا کرم ہے۔ بہرحال یہ معاملات زیرِ بحث نہیں لائے جا سکتے یہ ایسی باتیں ہوتی ہیں کہ لوگ اس میں بھٹک جاتے ہیں تو مجازین حضرات کو بھی چاہیے کہ ساری احتیاطیں مدنظر رکھیں۔

❁❁❁

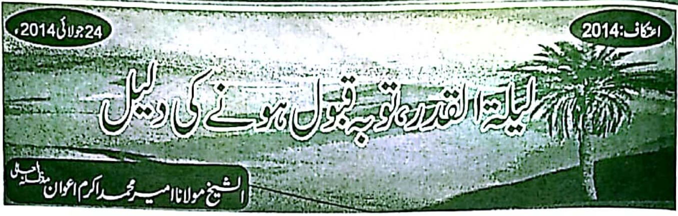

اعتکاف:2014 24 جولائی 2014ء

لیلۃ القدر، توبہ قبول ہونے کی دلیل

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ○ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ○ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ ○ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ مِّنْ کُلِّ اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○

(القدر:1-5)

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ۔

لیلۃ القدر، رمضان المبارک کے آخری عشرے کی کوئی ایک طاق رات ہے۔ اس کے بے پناہ فضائل بیان کیے جاتے ہیں۔ اللہ کریم نے اسے ہزار مہینے سے بہتر قرار دیا ہے۔ کتنی بہتر ہے؟ دوگنا ہے، دس گنا ہے، ہزار گنا ہے؟ یہ اللہ کریم جانتے ہیں۔ اس رات میں اللہ کے حکم سے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور نجات یافتہ ارواح کا نزول ہوتا ہے۔ یاد رکھیں! روحیں جو برزخ میں ہوتی ہیں، انہیں برزخ میں جا کر قوت پرواز نہیں ملتی۔ روح میں قوت پرواز اسی دنیا میں جو حاصل کرتا ہے، اسے نصیب ہوتی ہے۔ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ تک تو اک نگاہ میں وہ قوت حاصل ہوگئی، اس کے بعد مجاہدہ اور محنت سے جو حاصل کرتا ہے، اللہ کریم کی عطا ہوتی ہے۔ مجاہدہ بندے کو کرنا پڑتا ہے، پھر کوئی اسے ایسی ہستی تلاش کرنا پڑتی ہے جو انعکاسی طور پر توجہ دے کر یہ نعمت اسے عطا کردے۔ کسی کو کتنے اعلیٰ درجے کی بھی نجات حاصل ہو روح میں قوت پرواز نہیں ہوتی وہ اپنے مقام پہ رہتی ہے۔ ہاں وہ خوش نصیب لوگ جو اس زندگی میں روح میں قوت پرواز حاصل کر لیتے ہیں اور جنہیں مراقبات نصیب ہوتے ہیں، ان میں جتنی جتنی قوت پرواز ہوتی ہے اتنی برزخ میں بھی ان میں وہ صفت موجود رہتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ موت کے بعد جو حقائق سامنے آتے ہیں تو ہر نجات یافتہ روح صرف متوجہ الی اللہ رہتی ہے، اسے کہیں آنے جانے کی فرصت ہی نہیں، نہ وہ ضرورت محسوس کرتی ہے۔

اس رات کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ نجات یافتہ روحوں کو اگرچہ ان میں ویسے قوت پرواز نہ بھی ہو تو انہیں اس رات میں یہ قوت دے دی جاتی ہے کہ وہ زمین پر تشریف لاتی ہیں، اس دنیا میں واپس آتی ہیں۔ یہ بھی اس رات کے فضائل میں سے ہے۔

درجات کا حاصل ہو جانا ایک الگ بات ہے، قوت پرواز کا پانا ایک الگ بات ہے۔ ہمارے ایک ساتھی شہید ہو گئے۔ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے براہ راست شاگرد تھے۔ پھر جب تک زندگی نے وفا کی ہمارے ساتھ لگے بھی رہے اور مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اتنا عرصہ انہوں نے ذکر کیا لیکن مراقبات کی طرف توجہ نہیں کی، روح کو قوت پرواز حاصل نہیں تھی۔ جب وہ شہید ہوئے تو قدرتی طور پر مجھے خیال ہوا کہ بارگاہ نبوی ﷺ میں ایک خاص درجے کے شہدا کی ایک الگ جگہ ہے بیٹھنے کی اور اس میں غالباً (کافی دن ہو گئے جو مجھے یاد ہے) غالباً تیسری صف میں تھے اور بڑے نمایاں ہو کر بیٹھے تھے تو ویسے ہی مجھے خیال آ گیا کہ انہیں کہاں شہید کیا گیا؟ ان کا وجود کہاں ہے؟ تو میں نے اُن سے پوچھا اور میں انہیں ساتھ لے آیا کہ مجھے وہ جگہ دکھاؤ کہ جہاں تمہیں شہید کیا گیا، تمہارا وجود کہاں ہے؟

اس کے بعد میں انہیں چھوڑ کر چلنے لگا تو کہنے لگے کہ جناب! مجھے جہاں سے لائے ہیں، وہاں پہنچادیں۔ تو میں نے کہا، چلے جاؤ، کہنے لگے، نہیں میں نہیں جاسکتا۔ پھر انہیں وہاں لے جاکر چھوڑا۔ یعنی درجات اتنے عظیم ہیں کہ خاص شہدا کی صف میں بڑے نمایاں اور تیسری صف میں بیٹھے ہیں۔ ان کے پیچھے دور دور تک بے شمار صفیں ہیں لیکن روح میں قوت پرواز نہیں تھی۔ ان کے زندگی کے تقریباً تیس (30) سال ہمارے ساتھ گزر گئے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی انہوں نے وقت لگایا۔ 30 سال سے زیادہ ہوگئے ہوں گے۔ حضرتؒ کے وصال کو بھی غالباً تیس سال تو ہوچکے ہیں، چار پانچ سال حضرت جی کے ساتھ بھی رہے تو پینتیس (35) سال ذکر بھی کرتے رہے تو جب یہاں آتے تو کر لیتے اور جب چلے جاتے تو شاید چھوڑ دیتے ہوں گے۔ نماز، روزہ تسبیحات، زبانی اذکار پر بڑا زور رہتا، تسبیح ہر وقت چلاتے رہتے لیکن زبانی اذکار سے روح میں قوت پرواز تو نہیں آتی۔ تو اس رات کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ نجات یافتہ ارواح بھی زمین پر آتی ہیں اور ان کے آنے کے ساتھ بھی برکات کا نزول ہوتا ہے۔ ملائکہ آتے ہیں تو ان کے ساتھ دوسری طرح کی برکات کا نزول ہوتا ہے۔ تو کئی طرح کی برکات کا نزول اس شب میں ہوتا ہے۔ پھر یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی شب ساری دنیا پہ لیلۃ القدر ہو، یہ بھی ضروری نہیں کہ پورے ملک میں، ہر شہر میں ایک ہی شب، لیلۃ القدر ہو۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں تو رمضان کے آخری عشرے کی ہر طاق رات لیلۃ القدر ہی ہوتی ہے۔ کبھی کہیں، کبھی کہیں، کبھی کہیں، کبھی کسی جگہ اُس کا نزول ہوتا ہے، کبھی دوسری جگہ بلکہ کبھی ایک شہر، یا ایک محدود علاقے میں، کبھی ساتھ کے دوسرے علاقے میں۔ پھر دنیا میں شب و روز کا فرق ہے۔ ایک جگہ دن ہوتا ہے، دوسری جگہ رات ہوتی ہے۔ تو اسی اعتبار سے جس طرح رمضان کی طاق راتیں وہاں آتی ہیں، وہاں بھی اُن طاق راتوں میں شب قدر کا نزول ہوتا ہے۔ رحمتِ الٰہی بٹتی ہے۔

تو وہ کس نے پائی اور اسے شب قدر سے کیا ملا؟ اصل سوال یہ ہے۔ اس کے فضائل پر بیان کرتے رہو تو بات کرتے رہو۔ کئی گھنٹے لمبا کرلو، (بیان) بڑھتا چلا جائے گا۔ عنایت الٰہی کی کوئی حد نہیں۔ کسی نے ایک پہلو سمجھا، کسی نے دوسرا، کسی کو کچھ اور سمجھ آئی ہر کسی کو اللہ کریم نے جو شعور دیا ہے اس کے مطابق وہ بیان کرتا رہتا ہے۔ اس موضوع پر بڑی تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ تفاسیر میں بھی، علماء کے بیانات میں بھی لیکن شاید یہ بات زیر بحث نہیں آئی کہ جسے لیلۃ القدر نصیب ہوجاتی ہے اسے کیا حاصل ہوتا ہے دنیا میں اسے کیا ہوتا ہے؟ آخرت کے درجات مل گئے، گناہ معاف ہوگئے لیکن اسے کیسے پتا چلے کہ مجھے لیلۃ القدر نصیب ہوئی ہے؟ اس کے پاس کیا دلیل ہے؟

کوئی مشاہدہ ہوتا ہے تو اللہ قادر ہے کہ کسی کو، کسی وقت بھی کوئی مشاہدہ کرادے۔ کوئی مبارک خواب دیکھ لے لیکن یہ کوئی دلیل نہیں بنتی۔ کتنے ایسے ہیں جنہیں مشاہدہ نہیں ہوتا، وہ لیلۃ القدر پالیتے ہیں پھر مشاہدہ تو کوئی دلیل نہیں رہا۔

ہمارے چیف جسٹس ہوا کرتے تھے حلیم صاحب، اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ اس وقت جنرل ضیاء الحق کا زمانہ تھا اور جنرل صاحب کہیں باہر گئے ہوئے تھے وہ ایکٹنگ پریذیڈنٹ (Acting President) تھے۔ تو یہاں، دارالعرفان میں جمعہ اُن کی آمد پر شروع کیا گیا۔ جمعہ کی شرائط میں ایک یہ بھی ہے کہ ملک کا سربراہ کسی جگہ ہوتو وہاں جمعہ ہوسکتا ہے اور جہاں ایک دفعہ جمعہ شروع ہوجائے پھر وہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

ایک مرتبہ وہ یہاں تشریف لائے۔ اسی مسجد میں ہم نے پہلا جمعہ اسی وجہ سے پڑھا کہ سربراہ مملکت یہاں تھے۔ پھر اس کے بعد کچھ لوگوں کو وساوس رہے، لوگوں نے اعتراض کیے۔ پھر ہم نے ساری صورتحال لکھ کر علمائے دیوبند کو، دیوبند بھیجی۔ وہاں سے بھی فتویٰ آیا کہ درست ہے۔

تو یہاں جمعے کی ابتداء ان کی آمد سے شروع ہوئی تھی جب وہ پاکستان کے ایکٹنگ پریذیڈنٹ (Acting President) تھے۔ وہ بتایا کرتے تھے کہ لیلۃ القدر کو میں ایک دن باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ سارے درخت، سارے مکان، ہر چیز سجدے میں ہے، انہیں

مشاہدہ ہو گیا ہوگا۔ اللہ کی شان ہے اور بڑے سادہ آدمی تھے چیف جسٹس صاحب (Chief Justice)۔ جب ملتے تو پھر یہ بات ضرور سناتے، انہیں یہ یاد نہیں ہوتا تھا کہ پچھلی ملاقات میں یہی بات سنا چکے ہیں، ہر بار بڑے مزے سے سناتے تھے۔ یہ چیزیں تو ہوتی ہیں لیکن کس نے لیلۃ القدر پائی؟ لیلۃ القدر کا ایک بنیادی انعام جو اللہ کی عطا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے سارے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، ساری خطائیں معاف ہو کر یہ جو ہزار مہینے سے زیادہ عبادت کا ثواب ہے، اس کی نیکیاں آجاتی ہیں۔ ویسے بھی قرآن میں اللہ نے اصول بیان فرمایا ہے کہ:

اَلْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ (ھود: 114) (ترجمہ) نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

تو اگر کسی کو ایک شب میں اتنی نیکیاں ملیں تو یقیناً باقی زندگی کے گناہ تو معاف ہو گئے لیکن اس کی دلیل ہمارے پاس کیا ہے؟

توبہ کی قبولیت اور گناہوں کی معافی کی دلیل یہ ہے کہ آئندہ گناہوں سے نفرت ہو جائے۔ گناہ انسان کیوں کرتا ہے؟ رغبت سے کرتا ہے، اس طرف طبیعت مائل ہوتی ہے، دل چاہتا ہے کرنے کو، جاننا بھی ہے کہ یہ گناہ ہے، یہ برائی ہے پھر کرتا ہے۔ چونکہ وجود کا بادشاہ دل ہے۔ حکمران دل ہے۔ دماغ وزیر ہے۔ دل کا نائب ہے۔ جو دل سے حکم آتا ہے۔ دماغ اعضاء و جوارع کو اس کی تعمیل پر لگا دیتا ہے۔ کئی بار دماغ اس حکم کو پسند نہیں کرتا، نہیں چاہتا کہ ایسا ہو لیکن اعضاء و جوارح کو حکم دیتا ہے۔ وہ روک نہیں سکتا، حکم دیتا ہے اعضاء و جوارع کو کہ ایسا کرو۔ دماغ کوئی تجویز پیش کرے تو دل رد کر سکتا ہے، میں ایسا نہیں کروں گا، مجھے نہیں پسند کیونکہ دل بادشاہ ہے۔ تو دماغ بتاتا ہے کہ یہ کام غلط ہے، یہ صحیح نہیں ہے، یہ برا ہے لیکن دل کہتا ہے کرنا ہے تو آدمی گناہ کر لیتا ہے، جھوٹ بول لیتا ہے، رشوت کھا لیتا ہے، سود کھا لیتا ہے، کسی کو قتل کر دیتا ہے، کسی کا مال چھپا لیتا ہے۔ اگر لیلۃ القدر نصیب ہو جائے تو دل بدل جاتا ہے۔ لیلۃ القدر کے نصیب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ دل کو وہ تجلیات ملتی ہیں اور اسے وہ نعمتیں دکھائی دیتی ہیں اور اس طرف اس کی رغبت ہوتی ہے کہ پھر وہ برائی کی طرف پلٹنے کا سوچتا بھی نہیں۔ گناہ سے نفرت اور نیکی سے محبت ہو جاتی ہے۔ تو یہ دلیل ہے ہمارے پاس کہ مجھے لیلۃ القدر نصیب ہوئی یعنی کوئی معیار تو ہمارے پاس بھی ہونا چاہیے نا۔ اور اس پر بہت کم بحث ہوتی ہے۔

لیلۃ القدر کے فضائل پہ بہت بحث ہوتی ہے۔ تو فضیلتیں تو اس کی بے پناہ ہیں، بے شمار ہیں، انسان کی عقل کی حد میں نہیں آتی، اللہ کریم نے جس قدر فضیلتیں بیان فرمائی ہیں اور اللہ کریم نے کوئی حد نہیں رکھی تو فرمایا خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ (قدر: 3) ہزار مہینے سے بہتر ہے؟ کتنی بہتر ہے۔ دوگنا ہے، دس گنا ہے، ہزار گنا ہے، کروڑ گنا ہے یہ تو رب ہی جانتا ہے۔ اللہ پاک نے کوئی حد نہیں رکھی کہ ہزار مہینے سے دوگنی ہے یا دس گنی ہے۔ نہیں، اس سے بہتر ہے۔ کتنی بہتر ہے، وہ جانتا ہے۔

اب اس میں جتنے فضائل بیان کرتے رہیں کہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، بے پناہ نیکیاں مل جاتی ہیں، یہ سب۔۔۔۔ تو فضائل میں آ گیا۔

ہمارا مسئلہ تو یہ ہے کہ مجھے بھی کوئی حصہ ملا کہ نہیں؟ اب اس کی دلیل میرے پاس کیا ہے کہ مجھے لیلۃ القدر نصیب ہوئی؟ اس کی دلیل صرف یہ ہے کہ دل بدل جاتا ہے۔ یہ دنیا کی فانی اور عارضی لذتیں جو محض مادی جسم کا نصیب ہیں اور جن کے حصول کے اگر ذرائع غلط ہوں تو روح کے لیے سمِ قاتل بن جاتی ہیں۔

جائز ذرائع سے بھی دنیاوی لذتوں سے، حلال لذتوں سے متمتع ہونے سے روح میں کچھ نہ کچھ سستی ہی آتی ہے۔ جسم کا فائدہ، روحانی زندگی کا فائدہ نہیں ہوتا، روح میں بھی کچھ نہ کچھ سستی آتی ہے۔ پھر حرام لذات تو روح کے لیے زہر بن جاتی ہیں۔ لیلۃ القدر کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ الحمد للہ! جنہیں نصیب ہوتی ہے ان کا دل بدل جاتا ہے۔ دل کو نیکی میں، اللہ کی اطاعت میں، حضور ﷺ کی نافرمانی اور اللہ کی نافرمانی میں کوفت ہوتی ہے۔ اس طرف وہ جانا نہیں چاہتا تو جب دل نہیں جانا چاہتا تو دماغ کے اعضاء و جوارع کی بھی مجبوری ہے کہ وہ وہی کریں، جس طرف دل چاہتا ہے۔ تو یہ ہمارے پاس ایک دلیل بن جاتی ہے کہ اللہ کا شکر ہے مجھے لیلۃ القدر کی برکات نصیب ہوئیں اور میرا

مزاج بدل گیا، میرا دل بدل گیا۔

اللہ اللہ کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنا بھی باعث نجات ہے، ان کی مجلس بھی برکات عطا کرتی ہے، ساری باتیں ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ قوت پرواز حاصل کی جائے جوان لوگوں کو اللہ نے عطا فرمائی ہے۔

ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ یہ دور انتہائی ابتلا کا دور ہے، ہر چیز الٹ پلٹ ہوگئی ہے۔ معاشرے کا کوئی معیار نہیں رہا، نیکی بدی میں کوئی تمیز نہیں رہی، بندوں کا بندوں سے کوئی رشتہ نہیں رہا۔ کوئی مرے یا جیے، کوئی روئے یا ہنسے کسی کو جاننے کی کوئی فرصت نہیں۔ اب لوگوں کی مہار میڈیا کے ہاتھ ہے جس طرح کا پراپیگنڈہ کردیں، لوگ اس کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ ابھی کل کسی دوست نے فلسطین کا بڑا لکھا تھا۔ لیکن پندرہ بیس روزانہ قتل ہوجاتے ہیں کراچی میں تو اس کا تو اُس میں نہیں لکھا؟ فلسطینی تو لڑ رہے ہیں، مر رہے ہیں تو یہ جو ہمارے شہروں میں، کراچی میں، سرگودھا میں، لاہور میں، پنڈی میں، پشاور میں روز دھماکے ہوتے ہیں، لوگ روز مرتے ہیں یہ کس سے لڑ رہے ہیں؟ اس کا چونکہ میڈیا والے زیادہ پراپیگنڈہ نہیں کرتے تو اس کو کوئی نہیں پوچھتا۔ دس، بارہ، پندرہ قتل روزانہ کراچی میں ہوتے ہیں یہ روٹین بن گئی ہے، لوگ پرواہی نہیں کرتے، کوئی خیال ہی نہیں کرتا۔ یہ تو الحمد للہ، اللہ پاک سلامت رکھے ہماری افواج کو اور انہیں ہمت دے اور نیکی کی طرف جانے کی توفیق دے۔ یہ تو وہ قربانیاں دے رہے ہیں اور جنگ کر کے تو کچھ ایک حد تک جو باہر سے آکر دھماکے کرتے تھے، تو اس میں بہت (90%) نوے فیصد تک کمی آگئی ہے لیکن مقامی لوگ جو ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں، وہ تو لگے ہی ہوئے ہیں۔ یہاں مساجد میں لوگوں کے ٹکڑے اڑ گئے، جلوسوں میں لوگ مارے گئے تو اس کی فکر کسی نے نہیں کی۔ فلسطین کا شور تھا کیونکہ میڈیا پراپیگنڈہ کرتے ہیں۔

فلسطین آج کا مسئلہ تو نہیں ہے۔ یہ تو 1920ء سے شروع ہوا اور ایک صدی کا قصہ ہے، دو چار دنوں کی بات نہیں۔ اسے تو سو (100) سال ہونے کو ہیں اور فلسطینیوں کی اب چوتھی نسل میدان میں ہے اور وہ چار نسلوں سے لڑ رہے ہیں۔ اب یہ اللہ جانے کہ وہ اپنے مذہب کے لیے لڑ رہے ہیں یا اپنی زمین کے لیے لڑ رہے ہیں۔ ہر ایک کی نیت اللہ جانتا ہے۔ تو اکثریت ان کی تنظیموں کے دعویٰ اپنی زمین کے لیے ہوتے ہیں کہ یہ زمین ہماری ہے، اسے چھوڑ دو۔ شاید کسی کو مذہب کا خیال بھی ہو۔ تو مسلمان ہیں، اللہ ان کی شہادتیں قبول فرمائے۔ افغانوں کو دنیا کی سپر پاور سے لڑتے ہوئے تیس سال ہوگئے۔ جن سے جہان ڈرتا تھا، انہیں، انہوں نے شکست دی۔ افغانستان سے افغان مجاہدین آتے تھے، تو جب بھی ان سے ملاقات ہوتی تو کہتے تھے کہ جی زمین پر پاؤں رکھنا دشوار ہے، لاشوں پر پاؤں آتا ہے یعنی اتنی بھی زمین خالی نہیں ملتی کہ بندہ پاؤں رکھے، نیچے کوئی لاش ہی پاؤں کے نیچے آتی ہے۔ وہ مرتے رہے، شہید ہوتے رہے، دنیا کی سپر پاور کو انہوں نے بھگا دیا۔ تو یہ میڈیا کا دور ہے۔ اس کے پراپیگنڈے کے پیچھے نہیں جانا چاہیے جو اپنے مفادات کے لیے باتیں گھڑ لیتے ہیں اور کر لیتے ہیں اور ایک بات کا افسانہ بنا لیتے ہیں۔

وابستہ اللہ کریم سے، اہل اللہ سے ہونا چاہئے اور زندگی یہ ہے کہ بندہ اس دنیا میں جیتا ہو لیکن بستا آخرت میں ہو۔ یہ زندگی ہے۔ سانس یہاں لیتا ہو لیکن رہتا وہاں ہو۔ تو وہ لوگ جن کو یہ مقام نصیب ہوتا ہے، بات کرتے وقت بھی ان کی نظر آخرت پر ہوتی ہے کہ وہاں کوئی نقصان تو نہیں ہو رہا، کام کرتے وقت بھی نظر آخرت پر ہوتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اتباع کرتے ہیں اور خلوص دل سے کرتے ہیں، ڈرامہ نہیں کرتے کہ دکھاوے کو عمامہ باندھ لیا اور اس پر رومال باندھ لیا یا تسبیح یا گلے میں تسبیحیں ڈال لیں یا لمبا سا فرغل بنا لیا، ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ معاملہ دلوں کا ہے بلکہ صوفیاء کے نزدیک تو جو منزل پالتے ہیں۔ تو صوفیاء فرماتے ہیں ؎

آنکہ بمنزل می رسد پیدل می شود

قانون یہ ہے کہ جو بندہ اپنی منزل پر پہنچ جائے وہ پیدل ہو جاتا ہے یعنی عام آدمی کی طرح ہو جاتا ہے۔ اب دیکھیں ہم یہاں بس میں بیٹھتے ہیں، جہاں جانا ہے وہاں پہنچیں تو ہم وہاں بس کو تو پکڑ کر نہیں پھرتے رہتے، عام آدمی میں مل جاتے ہیں۔ کار پر جاتے ہیں، لاہور جانا ہے، پنڈی جانا ہے۔ جب وہاں پہنچیں تو کار میں تو نہیں بیٹھے رہتے،

کارکھٹری کر کے جہاں جانا ہے، گھر میں، بازار میں، چلے جاتے ہیں یعنی جب منزل پہ پہنچتا ہے تو پیدل ہو جاتا ہے کہ عام آدمیوں میں مل جاتا ہے۔ جس طرح عام نارمل لائف ہوتی ہے اس میں رہتا ہے، کوئی اس کے حلیے نہیں بنتے، اسے ضرورت نہیں رہتی ان چیزوں کی۔

یہ معاملات سارے دل سے متعلق ہیں اور بات میں یہ کر رہا تھا کہ شب قدر کا نصیب ہونا دل کو کلی طور پر بدل دیتا ہے

تمنائیں، دنیاوی عیش کی بجائے اخروی آرام پہ چلی جاتی ہیں۔ دنیا کو وہ برتتا ہے اس لیے کہ وہ دنیا میں زندہ ہے لیکن اس طرح برتتا ہے کہ اس کے برتنے سے آخرت کا نقصان نہ ہو۔ اور یہ معیار ہے کہ ہر شخص، ہر بندہ، ہر ساتھی اپنے آپ پر غور کرے کہ کیا اسے یہ کیفیت نصیب ہوتی ہے کیونکہ وہ تو کوئی طاق، جفت رات نہیں چھوڑتے، عبادات میں لگے رہتے ہیں، ذکر اذکار میں لگے رہتے ہیں، متوجہ الی اللہ رہتے ہیں۔ ایک چیز کا نصیب ہونا اور اس کا زندگی کا حصہ بن جانا یہ دو الگ باتیں ہیں۔ ایک بندے کو بہت خوبصورت لباس دے دیا جاتا ہے۔ اب وہ اسے پہنتا ہے، سنبھالتا ہے، اسے تہہ لگاتا ہے، صاف کرتا ہے یا لے کر پھر وہیں پھینک کر گھر چلا جاتا ہے، دو باتیں ہو گئی نا۔

شب قدر نصیب ہو گئی اگر تو اس نے اسے اپنے آپ میں جذب کر لیا اور آئندہ اس میں جینا شروع کر دیا پھر تو بڑے مزے کی بات ہوئی اگر اور اعتکاف بیٹھے، نصیب ہوئی لیکن پھر وہیں پھینک کے گھر چلے گئے تو پھر وہی پہلے والی زندگی اپنا لی اور نصیب ہو کر بھی پھر نصیب نہ ہوئی۔

تو خیال اس بات کا کرنا چاہیے کہ مجھے اگر نصیب ہوئی ہے اور یقیناً ہر معتکف کو الحمد للہ نصیب ہوتی ہے (بقیہ صفحہ نمبر 32 پر)

صقارہ ایجوکیشن سسٹم کا مرکزی ادارہ علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج
SIQARAH
صقارہ سائنس کالج
بزرگانِ دین کی سرپرستی بچوں کی سیکورٹی کا اعلیٰ انتظام صاف ستھرا ماحول
داخلہ 2015 برائے جماعت چھٹی تا بارھویں
سپیشل آفر
یکم اپریل سے فسٹ ائیر کی کوچنگ کلاسسز کا مفت آغاز
پری میڈیل پری انجینئرنگ کمپیوٹر سائنس اینڈ آرٹس گروپ
نمایاں خصوصیات
سیلکشن، امیدوار کا تحریری امتحان، انٹرویو اور میڈیکل پاس کرنا لازم ہے
✓ جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کشادہ کیمپس ✓ فیس کم، معیار اعلیٰ، بھائیوں کیلئے فیس میں خصوصی رعایت اور میرٹ اسکالرشپ
✓ مستعد اور تجربہ کار اساتذہ ✓ نظم وضبط اور اسلامی شعائر کی پابندی
داخلہ جاری ہے
✓ کھیلوں کے وسیع وعریض میدان ✓ والدین کو sms کے ذریعے حاضری اور امتحانی نتائج کی فوری اطلاع
ہاسٹل کی سہولت موجود ہے
پرنسپل: ملک اختر حسین ایم فل کیمسٹری۔ بی ایڈ۔ ایم ایڈ
صقارہ سائنس کالج دار العرفان منارہ ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال
or more Info: www.Sigarahedu.com Mob: 0313-6919797 Ph: 0543-562222

قسط نمبر2

تکبر اور عجب کے علاج کے بیان میں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کیمیائے سعادت" سے انتخاب

ترجمہ: مولانا فخر الدین احمد صدیقی

تکبر کی حقیقت اور آفت کا بیان:

اے عزیز! جان تو کہ تکبر بُرا خلق ہے اور اخلاق دل کی صفت ہوتے ہیں لیکن ان کا اثر ظاہر میں پیدا ہوتا ہے اور تکبر کے یہ معنی ہیں کہ آدمی خود کو دوسروں سے فائق اور بہتر جانے اور اس سبب سے خوش ہو کر پھولے تو جو ہوا اسے پھلاتی ہے اسے تکبر کہتے ہیں رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے اَعُوْذُبِکَ مِنْ نَفْخَۃِ الْکِبْرِ یعنی اے اللہ میں کبر کی ہوا سے تیری پناہ مانگتا ہوں آدمی میں جب یہ ہوا بھرتی ہے تو لوگوں کو اپنے سے کم جانتا ہے اور اپنا خادم جان کر انہیں دیکھتا ہے بلکہ شاید اپنی خدمت کے لائق بھی نہ جانے اور کہے کہ بھلا تو بیچارہ کیا ہے جو میری خدمت کے لائق ہو جیسا کہ سلاطین ہر کسی کے واسطے نہیں مانتے کہ ان کی آستانہ بوسی کرے اور خود کو ان کی طرف اضافت کرکے بندہ لکھے مگر بادشاہوں کے واسطے مانتے ہیں اور یہ نہایت درجے کا تکبر ہے۔ خدا کی کبریائی سے بڑھ گیا کیونکہ وہ سب کو بندگی اور سجود کے ساتھ قبول فرماتا ہے اور اگر تکبر میں اس درجے کو نہیں پہنچتا تو چلنے اور بیٹھنے میں پیشی ڈھونڈھتا ہے اور تعظیم کا امیدوار رہتا ہے اور اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ اگر لوگ اسے نصیحت کریں تو نہ مانے اور اگر خود نصیحت کرتا ہے تو سختی سے کہتا ہے اور اگر اس کو خود کو تعلیم کیجئے تو غصہ میں آتا ہے اور آدمیوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے بہائم کو دیکھتے ہیں۔ رسول مقبول ﷺ سے لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کبر کیا چیز ہے فرمایا تکبر یہ ہے کہ آدمی حق تعالیٰ کے آگے گردن نرم نہ رکھے اور لوگوں کو چشم حقارت سے دیکھے اور دونوں خصلتیں آدمی اور حق تعالیٰ کے درمیان میں بڑی آڑیں ہیں اس سے سب برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور نیک اخلاق سے آدمی باز رہتا ہے کیونکہ جس شخص پر اپنی خواجگی اور عزت اور بزرگی کا خیال غالب ہوا وہ جو چیز اپنے واسطے پسند کرتا ہے اور مسلمانوں کے واسطے پسند نہ کر سکے گا غصہ کو نہ روک سکے گا اور زبان کو غیبت سے نہ بچا سکے گا دل کو میل اور غبار سے پاک صاف نہ کر سکے گا اس واسطے کہ جو شخص اس کی تعظیم نہ کرے گا اس کی طرف سے کچھ نہ کچھ اپنے دل میں لائے گا اور کم سے کم یہ ہے کہ تمام دن اپنے پیچھے اور اپنی خود پرستی میں اور اپنی بات بالا کرنے میں مشغول رہے گا اور فریب، نفاق، جھوٹ سے مستغنی نہ ہو گا تاکہ اپنا کام لوگوں پر بالا رکھے اور حقیقت یہ ہے کہ آدمی کچھ بھی اسلام کی بو سونگھے گا تاوقتیکہ خود کو فراموش نہ کرے بلکہ دنیا کی راحت بھی نہ پائے۔ ایک بزرگ نے کہا کہ اگر تو بہشت کی خوشبو سونگھنا چاہے تو خود کو ہر فرد بشر سے گھٹ کر جان کہ بوئے بہشت سونگھ لے حق سبحانہٗ تعالیٰ اگر کسی کو بینائی عنایت کرے تاکہ وہ متکبر جو باہم ملتے ہیں ان کے دل دیکھے تو وہ کسی گھورے میں وہ نجاست اور عفونت نہ دیکھے گا جو ان متکبروں کے دلوں میں ہوتی ہے کیونکہ ان کا باطن تو کتوں کی صورت ہو گیا ہو گا اور اپنے ظاہر کو عورتوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے سنوار رہے ہیں باہم پاس بیٹھنے سے مسلمانوں کو جو انس ہوتا ہے وہ متکبروں کو ہرگز نہیں ہوتا۔ بلکہ اے عزیز تو

جس شخص کو دیکھے گا تو راحت جب ہی پائے گا کہ تو اس شخص میں بالکل فنا ہو جائے اور ہمہ تن اس کی تعظیم ہو جائے تا کہ دوئی اٹھ جائے اور یگانگی پیدا ہو جائے وہی وہ رہے تو باقی نہ رہے یا وہ تجھ میں آجائے اور تو ہی تو باقی رہے وہ باقی نہ رہے اور دونوں حق تعالیٰ کی ذات میں فنا ہو جائیں اور اپنی طرف التفات ہی نہ کر اور کمال یہی ہے اور اس یگانگی سے کمال راحت ہوتی ہے غرضیکہ جب تک دوئی رہے گی راحت محال ہے کیونکہ راحت یگانگی اور خدمت میں ہوتی ہے کبر کی حقیقت اور آفت یہی ہے۔

تکبر کے درجوں کا بیان:

اے عزیز! جان تو کہ بعض تکبر بہت قبیح اور بد ہوتا ہے اور جس پر تکبر ہوتا ہے اس کے تفاوت سے تکبر میں تفاوت پیدا ہوتا ہے اور تکبر یا خدا پر ہوتا ہے یا رسول پر یا بندوں پر لیکن پہلا درجہ وہ تکبر ہے جو خدا پر ہو جیسے نمرود فرعون ابلیس کا تکبر اور ان کا تکبر جنہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا اور بندگی سے ننگ وعار رکھی اور حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے لَّن يَسْتَنكِفَ الْمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبْدًا لِّلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ (النساء:172) یعنی نہ عیسیٰ بندگی سے ننگ وعار رکھتے ہیں نہ ملائکہ المقربین دوسرا درجہ رسول مقبول ﷺ پر تکبر ہے جیسا کفار قریش نے کیا اور کہا کہ ہم اپنے ایسے آدمی کے سامنے سر نہ جھکائیں گے خدا نے ہماری طرف فرشتہ کو رسول کر کے کیوں نہ بھیجا اور مرد محتشم کو کس واسطے نہ بھیجا یتیم کو کیوں بھیجا وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (الزخرف:31) یہ کفار دو گروہ تھے ایک گروہ کا تکبر تو ان کا حجاب ہو گیا حتیٰ کہ انہوں نے خود تفکر نہ کیا اور نبوت کو پہچانا ہی نہیں جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا ہے سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (الاعراف:146) یعنی میں متکبروں کو راہ نہیں دیتا ہوں تا کہ وہ آیات حق دیکھیں اور ایک گروہ جانتا تھا اور انکار کرتا تھا کبر کے سبب سے اقرار کرتا تھا کبر کے سبب سے اقرار کرنے کی طاقت نہ رکھتا تھا جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا (النمل:14) تیسرا درجہ یہ کہ آدمی اور بندوں پر تکبر کرے اور انہیں چشم حقارت سے دیکھے اور حق بات نہ مانے اور خود کو ان سے بہتر سمجھے اور بزرگ جانے اور یہ اگرچہ ان دونوں درجوں سے کم ہے لیکن پھر بھی دو سبب سے برا ہے ایک تو یہ کہ بزرگی خدا ہی کی صفت ہے بندہ ضعیف وعاجز جس کے اختیار میں اپنا کوئی کام نہیں اسے کہاں سے بزرگی کا دعویٰ پہنچے گا تا کہ خود کو سمجھے کہ میں کچھ ہوں اور آدمی جب خود کو بزرگ جانے گا تو خدا کی صفت میں اس کے ساتھ منازعت اور دعویٰ داری ہو گی اس متکبر کی مثل ایسی ہے جیسے کوئی غلام بادشاہ کا تاج اپنے سر رکھ تخت سلطنت پر بیٹھے۔

اے عزیز دیکھ تو کہ غلام بادشاہ کے غیظ وغضب کا کیسا مستحق ہو گا اسی واسطے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے یعنی حدیث قدسی میں آیا ہے العظمة ازاری الكبرياء ردائی فمن نازعنی فیھا قصمتهٗ یعنی عظمت اور کبریائی میری خاص صفت ہے جو شخص ان دونوں صفتوں میں میرے ساتھ منازعت کرتا ہے میں اسے ہلاک کر دیتا ہوں چونکہ خالق کے سوا اور کسی کو بندوں پر تکبر کرنا نہیں پہنچتا ہے تو جو شخص بندوں پر تکبر کرے گا اس نے خالق کے ساتھ منازعت کی جیسے کوئی شخص بادشاہ کے خاص غلاموں کو ایسے کام کا حکم کرے جو بادشاہ کے سوا اور کسی کو لائق نہ ہو دوسرا سبب یہ ہے کہ تکبر اوروں کی حق بات قبول کرنے سے آدمی کو باز رکھتا ہے حتیٰ کہ جو لوگ متکبر ہوتے ہیں وہ دین کے مسائل میں جھگڑا کرتے ہیں تو جب حق بات کسی کی زبان سے نکلتی ہے تکبر دوسرے سے انکار کرواتا ہے قبول نہیں کرنے دیتا اور حق سے انکار کرنا کافروں اور منافقوں کی عادت ہے جیسا حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کفار کا مقولہ قرآن میں آیا ہے

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (حم سجدہ:25)اور جیسا ارشاد ہو وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ (البقرہ:206) یعنی جب اس سے کہتے ہیں کہ خدا سے ڈر تو خود کو بڑا جاننا اور عزت دار سمجھنا اس سے گناہ پر اصرار کراتا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ یہ بڑا گناہ ہے کہ جب کسی سے کہیں کہ خدا سے ڈر اور وہ کہے کہ تجھے اپنے کام سے کام ہے ایک دن جناب رسالت مآب ﷺ نے ایک شخص سے کہا کہ داہنے ہاتھ سے کھا اس نے کہا میں نہیں کھا سکتا آپ کو معلوم ہو گیا کہ یہ تکبر سے کہتا ہے فرمایا تو داہنے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا پس اس کا ہاتھ پھر ہل ہی نہ سکا۔

اے عزیز! جان تو کہ حق تعالیٰ نے ابلیس کا قصہ جو قرآن شریف میں فرمایا ہے فقط کہانی کے طور پر نہیں فرمایا ہے بلکہ اس واسطے ارشاد کیا ہے کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ تکبر کی آفت کہاں تک پہنچتی ہے کیونکہ ابلیس نے تکبر ہی کے سبب سے کہا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (الاعراف: 12) اور تکبر نے اسے اس درجہ پہنچا دیا کہ اس نے حکم الٰہی کی تعمیل نہ کی اور سجدہ نہ کیا اور ملعون ابدی ہو گیا۔

تکبر کے اسباب اور علاج کا بیان:

اے عزیز! جان تو کہ جو کوئی تکبر کرتا ہے اسی سبب سے کرتا ہے کہ اپنے میں ایسی صفت کمال جانتا ہے کہ اوروں میں گویا وہ نہیں ہے اور وہ سات سبب ہیں۔

پہلا سبب علم: علم میں تکبر ہے کہ عالم جب خود کو کمال علم سے آراستہ دیکھتا ہے تو اوروں کو اپنے بہ نسبت بہائم جانتا ہے یہ تکبر اس پر غالب ہو جاتا ہے اس کا اثر یہ ہے کہ لوگوں سے کام خدمت اور مراعات اور تعظیم اور تقدیم کی اُمید رکھتا ہے اگر وہ نہیں کرتے تو تعجب کرتا ہے اور اگر وہ لوگوں کی طرف دیکھتا ہے یا کہیں دعوت میں جاتا ہے تو احسان جتاتا ہے اور عاقبت کے کاموں میں خدا کے نزدیک خود کو ان سے بہتر جانتا ہے اپنی نجات کی قوی اُمید رکھتا ہے اور ان لوگوں کے حق میں بہت ڈرتا ہے اور کہتا ہے کہ سب میری دعا اور نصیحت کے محتاج ہیں میرے طفیل میں دوزخ سے نجات پائیں گے اسی واسطے رسول مقبول ﷺ نے فرمایا اٰفَةُ الْعِلْمِ الْخُيَلَاءُ یعنی خود کو بڑا جاننا علم کی آفت ہے اور حقیقت میں ایسے عالم کو عالم کہنے سے جاہل کہنا بہتر ہے کیونکہ حقیقت میں عالم وہ شخص ہے جو خطر آخرت کو معلوم کرے اور صراط مستقیم کی باریکی کو پہچانے اور جس نے اسے پہچانا وہ ہمیشہ خود کو اس سے دور اور مقصر جانتا ہے اور اپنے انجام کے خطرے اور اس بات کے خوف سے کہ علم اس کے اوپر حجت اور دلیل ہو گا تکبر میں مشغول نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا ہے کہ جتنا علم بڑھتا ہے درد و مصیبت بھی بڑھتی ہے لیکن علم سیکھنے سے لوگوں کا تکبر جو بڑھ جاتا ہے اس کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ علم حقیقی جو علم دین ہے اسے نہیں سیکھتے اور یہ ایسا علم ہے کہ اس کے سبب سے آدمی خود کو اور راہ دین اور راہ حق کی گھاٹیوں کو اور عاقبت کے خطر کو اور حق تعالیٰ سے جو حجاب اور آڑ ہے اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سبب سے درد اور شکستگی زیادہ ہوتی ہے تکبر نہیں زیادہ ہوتا لیکن آدمی جب طب اور حساب اور نجوم اور لغت اور مناظرہ کا علم سیکھتا ہے تو اس سے تکبر ہی بڑھتا ہے قریب ترین علم، علم فتاویٰ ہے اور دنیا میں خلق کی اصلاح کا علم ہے تو وہ علم دنیا ہے اگرچہ دین کو اس کی احتیاج ہے اس سے خوف نہیں پیدا ہوتا بلکہ اگر فقط علم فتاویٰ پر آدمی اٹک جائے اور دوسرے علموں یعنی علم سلوک و تصوف کو ترک کر دے تو دل تاریک اور تکبر زیادہ ہو جاتا ہے۔ مصرع ؎ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔

اے عزیز! علماء ظاہر کو دیکھ لے کہ ان کا کیا حال ہے اس طرح طیارات واعظین کا علم اور ان کی مسجع اور بے فائدہ باتیں اور ان باتوں کی تلاش جن کے سبب سے خلق سے نعرہ زنی کرواتے ہیں اور وہ نکتے جن کے سبب سے مذہبوں میں تعصب کرتے ہیں تاکہ عوام تعصب کریں، تاکہ عوام سمجھیں کہ یہ باتیں دین کی راہ

ہیں یہ سب امور کبر و حسد اور عداوت کا تخم دل میں بوتے ہیں ان کے سبب سے درد اور شکستگی نہیں بڑھتی بلکہ تکبر اور نخوت بڑھتی ہے دوسرا سبب یہ ہے کہ شاید کوئی شخص علم نافع پڑھے مثلاً تفسیر وحدیث اور اگلے بزرگوں کے احوال اور اس قسم کے علوم جو اس کتاب میں اور احیاء العلوم میں ہم نے بیان کیے اور پھر بھی متکبر رہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ دراصل اس کا باطن خبیث ہے اور اخلاق بد رکھتا ہے اور پڑھنے سے بیان ہی کرنا اسے مقصود ہوتا ہے کہ اس کے سبب سے بڑائی حاصل ہو اسے برتنا اور اس پر عمل کرنا مقصود نہیں ہوتا تو جب علم اس کے باطن میں جاتا ہے اس کے باطن ہی کی صفت پر ہو جاتا ہے جیسے تقیہ کے پہلے دوا جو معدہ میں جاتی ہے معدہ کے خلط کی صفت پر ہو جاتی ہے اور جیسے پانی کہ آسمان سے ایک ہی صفت پر صاف اور شفاف برستا ہے اور جس نبات میں پہنچتا ہے اس کی صفت کو بڑھاتا ہے اگر وہ کڑوی ہے تو کڑواہٹ بڑھ جاتی ہے اور اگر میٹھی ہے تو مٹھائی زیادہ ہو جاتی ہے حضرت عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور ان کے حلق سے تجاوز نہیں کرتا اور کہتے ہیں کہ کون ایسا ہے جو ہماری طرح قرآن پڑھے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ کون جانتا ہے یہ فرما کر آپ نے اصحابؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ یہ لوگ تم ہی میں سے ہیں یعنی میری امت ہیں اور سب دوزخی ہیں امیر المومنین حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم متکبر علماء میں سے نہ ہو جاؤ کہ اس وقت تمہارا علم تمہارے کو وفا نہ کرے گا اور حق تعالیٰ نے رسول مقبول ﷺ کو تواضع کا حکم فرمایا اور ارشاد کیا وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الشعرآء:215) اسی سبب سے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تکبر سے اپنے اوپر ہراساں رہتے تھے حتیٰ کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک بار امامت کی پھر کہا کہ دوسرا امام ڈھونڈھو کیونکہ میرے دل میں آتا ہے کہ میں تم سے بہتر ہوں جب یہ حضرات تکبر کے خیال سے نہ چھوٹے تو اور لوگ کیونکر چھوٹ سکیں گے اور ایسا عالم اس زمانہ میں کہاں پائیں گے بلکہ ایسا عالم بھی نادر ہے جو اس صفت کو جانے کہ مذموم ہے اس سے حذر کرنا چاہیے کیونکہ اکثر علماء خود اس سے غافل رہتے ہیں اور اپنے تکبر پر فخر کرتے ہیں کہ میں فلانے آدمی کو لائق نہیں جانتا ہوں اس کی حقیقت نہیں سمجھتا بلکہ اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں اور ایسی تکبر کی باتیں بکتے ہیں تو اگر کسی عالم کو اس بات کی آگاہی حاصل ہو تو اس کو نہایت عزیز جاننا چاہیے اس کی زیارت بھی عبادت ہے اس کے واسطے سب کو چھوڑ دینا چاہیے اور اگر حدیث شریف میں یہ نہ آیا ہوتا کہ ایک زمانہ آئے گا اس زمانہ میں جو شخص تمہارے اعمال کا دسواں حصہ بھی عمل کرے گا وہ نجات پائے گا تو ناامید ہو جانے کا خوف تھا لیکن اس زمانہ میں تھوڑا نیک عمل بھی بہت ہے، کیونکہ دین میں کوئی یار و مددگار نہ رہا اور حقائق دین مخفی ہو گئے اور جو شخص راہ چلتا ہے وہ اکثر تنہا ہی ہوتا ہے یادر نہیں رکھتا اس کا رنج دوگنا ہوتا ہے تو ناچار تھوڑے ہی پر قناعت کرتا ہے دوسرا سبب زہد اور عبادت میں تکبر ہے کیونکہ عابد زاہد صوفی پارسا تکبر سے خالی ہی نہیں ہوتے حتیٰ کہ جانتے ہیں کہ ہماری خدمت اور زیارت کرنا اوروں کے حق میں بہتر ہے گویا کہ اپنی عبادت کے سبب سے لوگوں پر احسان رکھتے ہیں اور شاید یہ بھی جانتے ہوں کہ اور لوگ تباہ ہونے والے ہیں مغفور اور رستگار ہم ہی ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص انہیں ستائے اور اتفاقاً اسے کوئی آفت پہنچ جائے تو کہتے ہیں کہ دیکھو یہ ہماری کرامت ہے کہ ہمارے ساتھ جو بے ادبی کی یہ اسی کا نتیجہ ہے اور رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کہے کہ لوگ ہلاک ہوئے وہ خود ہلاک ہوگا یعنی اس نے لوگوں کو چشم حقارت سے دیکھا اور فرمایا ہے کہ بڑا گناہ ہے کہ کوئی کسی مسلمان بھائی کو حقیر جانے اس حقیر جاننے والے میں اور اس شخص میں بڑا فرق ہے جو مسلمان بھائی سے برکت لے اور اسے اپنے سے بہتر جانے اور خدا کے واسطے اسے دوست رکھے اور اس بات کا خوف ہے کہ حق تعالیٰ اس عابد کا درجہ ان لوگوں کو دے دے اور عبادت کی برکت سے اسے محروم رکھے۔ (جاری ہے)

خواتین کا صفحہ

حضرت شفاء بنتِ عبداللہ رضی اللہ عنہا

ام فاران، راولپنڈی

نام ونسب: آپؓ کا نام شفاءؓ، والد کا نام عبداللہ بن عبدالشمس بن خلف۔۔۔۔۔۔بن عدی، بن کعب بن لوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق: عدی کے دوسرے بھائی مُرہ تھے جو حضورؐ کے اجداد میں سے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت شفاءؓ کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں حضورؐ کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔

حضرت عمرِ فاروقؓ سے تعلق: اسی طرح پانچویں پشت میں حضرت شفاءؓ کا سلسلۂ نسب سیدنا عمر فاروقؓ کے نسب نامہ سے جا کر مل جاتا ہے۔

والدہ کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ ان کا نام فاطمہ بنتِ وہب تھا۔

نکاح: حضرت شفاءؓ کا تعلق قریش کے خاندان عدی سے تھا اور آپؓ کی شادی بھی اپنے ہی قبیلے کے فرد ابوحثمہ بن حذیفہ عدوی سے ہوئی۔ (ابوحثمہ کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے)

قبولِ اسلام: کتبِ سیر میں حضرت شفاءؓ کے قبولِ اسلام کے زمانہ یا سال کی تخصیص نہیں کی گئی۔ لیکن اس بات پہ سب کا اتفاق ہے کہ وہ ہجرت سے قبل بڑے مشکل حالات میں سعادتِ اسلام سے بہرہ مند ہوئیں اور پھر جب حضورؐ نے مشرکین کے مظالم سے تنگ آ کر صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی اجازت دی تو حضرت شفاء کو بھی ہجرت کا شرف حاصل ہوا۔ (اصابہ، ج:8، ص:20)

حضورؐ کی عنایت: جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نزول فرمایا تو کچھ عرصہ بعد آپؐ نے حضرت شفاءؓ کو ایک مکان مرحمت فرمایا۔ جس میں وہ اپنے بیٹے حضرت سلیمانؓ کے ہمراہ مدت العمر قیام پذیر رہیں (اصابہ، ص:141، بحوالہ ابن سعد)

عام حالات: حضرت شفاءؓ اس دور میں ان چند خواتین میں شامل تھیں جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اہلِ مکہ میں بڑی عزت وتکریم سے دیکھی جاتی تھیں۔

آپؓ اس کے علاوہ جھاڑ پھونک بھی جانتی تھیں، کئی امراض کے مریض ان کے پاس آتے تھے اور وہ کبھی منتر اور کبھی ٹوٹکوں سے اُس کا علاج کرتی تھیں۔ زہریلی چیونٹی کے کاٹے کا منتر جانتی تھیں۔ جب کسی کو چیونٹی کاٹ لیتی تو اسے آپؓ کے پاس لایا جاتا اور آپؓ یہ منتر پڑھ کر کاٹے کی جگہ پھونکتیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت: قبولِ اسلام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں جاہلیت میں جھاڑ پھونک کرتی تھیں اور چیونٹی کے کاٹے کا منتر بھی پڑھتی تھیں، کیا مجھے اب بھی ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ چونکہ منتر میں شرک کی آمیزش نہ تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ یہ منتر حفصہؓ کو بھی سکھا دو۔

ام المومنین حضرت حفصہؓ کی استاد: اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے یہ بھی فرمائش کی تھی کہ ''حفصہؓ کو لکھنا پڑھنا سکھا دو''۔

چنانچہ انہوں نے حضرت حفصہؓ کو لکھنا پڑھنا سکھایا۔ جب منتر کے لیے اجازت طلب کی تو آپؐ نے فرمایا: ''عَلِّمِي حَفْصَةَ رُقْيَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِهَا الْكِتَابَةَ (مسند، جلد:6، ص:373) (حفصہؓ کو بھی چیونٹی کا منتر سکھا دو جیسا کہ تم نے اسے لکھنا سکھایا) چنانچہ انہوں نے حضرت حفصہؓ کو بھی یہ منتر سکھا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت اور حضرت شفاءؓ کی عقیدت: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قبولِ اسلام کے بعد ان کی بہت توقیر فرمائی۔

آپؓ حد درجہ شفقت فرماتے۔ گاہے گاہے ان کے گھر تشریف لے جاتے۔

حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ''حضورؐ کبھی کبھی ان کے مکان پہ آرام فرماتے۔ انہوں نے حضورﷺ کے استعمال کے لیے ایک تہمد اور ایک بستر علیحدہ رکھ چھوڑا تھا۔ چونکہ ان چیزوں سے حضورؐ کا جسد مبارک مس ہوا تھا اس لیے انہوں نے ان دونوں چیزوں کو ان کے تقدس کے باعث زندگی بھر اپنی جان سے لگا کر رکھا بلکہ ان کے بعد ان کی اولاد نے بھی بڑی احتیاط سے محفوظ رکھا تا آنکہ اموی حکمران مروان بن الحکم نے یہ دونوں چیزیں لے لیں۔ (اسد الغابہ، ج:5،ص:487)

حضرت عمرؓ کی تکریم: حضرت شفاء کو بارگاہِ نبوی ﷺ میں جو تقرب حاصل تھا اس کی بنا پر تمام صحابہ کرامؓ ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ خصوصاً حضرت عمر فاروقؓ کو اُن کے صائب الرائے ہونے کا بڑا پاس تھا اور ان کی قدر و منزلت کی یہ کیفیت تھی کہ جب آپؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو کبھی کبھی اہم مسائل میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور ان کی رائے کی بہت تعریف فرماتے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ، ابنِ سعد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''وہ ان کو بازار کا اہتمام سپرد کرتے تھے۔'' گویا صاحب الرائے ہونے کے ساتھ ساتھ وہ انتظامی صلاحیتوں کی بھی مالک تھیں۔

علامہ ابن اثیرؒ نے ''اسد الغابہ'' میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت شفاءؓ کو بلا بھیجا۔ جب وہ آئیں تو اتفاق سے عاتکہؓ بنتِ اسید بھی وہاں آگئیں۔ حضرت عمرؓ نے دونوں کو ایک ایک چادر عنایت کی۔ جو چادر حضرت عاتکہؓ کو عنایت ہوئی وہ حضرت شفاءؓ کی چادر سے بہتر تھی تو انہیں یہ بات ناگوار گزری انہوں نے ناراضگی سے حضرت عمرؓ کو مخاطب ہو کر فرمایا:

''تمہارے ہاتھ گرد آلود ہوں! میں عاتکہؓ سے زیادہ قدیم الاسلام ہوں تمہاری بنتِ عم بھی ہوں پھر تم نے مجھے خود بلا بھیجا ہے اور یہ تو خود سے آئی ہیں اور ان ساری باتوں کے باوجود تم نے عاتکہؓ کو مجھ سے بہتر چادر دی، جو محض اتفاق سے یہاں آگئی تھیں۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا ''واللہ! یہ چادر تمہارے ہی لیے تھی لیکن جب عاتکہؓ آگئیں تو مجھے ان کی رعایت کرنی پڑی کیونکہ یہ نسب میں حضورﷺ سے زیادہ قریب ہیں۔'' (اسد الغابہ، ج:5،ص:497)

اس روایت سے دو باتیں سامنے آتی ہیں کہ حضرت شفاءؓ بڑی جری اور نہایت باک بے خاتون تھیں۔ جو بات دل کو بری معلوم ہوئی حضرت عمرؓ جیسے خلیفہ کے منہ پہ کہہ دی۔

وہاں یہ بات بھی ثابت ہوئی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ رسولِ کریم ﷺ کے قرابتداروں کو اپنے خاندان 'بنو عدی' پہ ترجیح دیتے تھے۔ آپؓ کے صبر و تحمل کا بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ایک بوڑھی خاتون کی ڈانٹ کا برا نہ منایا۔

اخلاق: اسد الغابہ میں ہے ''وہ بڑی عاقلہ و فاضلہ تھیں۔'' آپؓ صائب الرائے اور نڈر خاتون تھیں اور حضورؐ سے والہانہ محبت کرتی تھیں۔

اولاد: حضرت شفاءؓ کی اولاد میں صرف ایک لڑکے سلیمانؓ کا اور ایک لڑکی کا پتہ چلا ہے دونوں شرفِ صحابیت سے بہرہ مند تھے۔ آپؓ کی بیٹی مشہور صحابی حضرت شرجیل بن حسنہؓ کے نکاح میں تھیں۔

فضل و کمال: دورِ جاہلیت سے دو چیزوں میں مشہور تھیں، جھاڑ پھونک اور لکھنا پڑھنا۔ حضرت شفاءؓ نے حضورﷺ سے اور کچھ حضرت عمر فاروقؓ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ جن کی تعداد بعض کے نزدیک بارہ ہے۔ راویوں میں بیٹے سلیمانؓ، پوتے ابوبکرؓ اور عثمانؓ، ام المومنین حضرت حفصہؓ، ابوسلمہؓ اور ابو اسحاقؓ شامل ہیں۔

وفات: آپؓ نے کب وفات پائی؟ اس کے بارے میں تمام کتب سیر خاموش ہیں۔ قرینِ قیاس یہی ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور کے آخر میں یا حضرت عثمانؓ کے دور میں وفات پائی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نبوت کے پانچویں سال معراج کا واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل پچھلے شماروں میں لکھی جا چکی ہے۔صبح ہونے پر نبی اکرم ﷺ نے یہ واقعہ لوگوں کو بتایا تو کفار مکہ میں سے چند لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس بھاگے گئے، کہا، آپؓ نے سنا کہ آپ کے صاحب کیا کہہ رہے ہیں اور پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے تفصیل بیان کی۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ کیا واقعی آپ ﷺ ایسا فرمارہے ہیں۔کفار مکہ نے کہا جی بالکل، تو آپؓ نے فرمایا اگر آپ ﷺ ایسا فرمارہے ہیں تو ٹھیک فرمارہے ہیں میں تو اس سے زیادہ دور کی بات میں ان کی تصدیق کرتا ہوں، یعنی آسمان کی خبر (وحی مبارک) کے بارے میں جو ان ﷺ کے پاس صبح یا شام کو آتی ہے۔میں آپ ﷺ کی اس بات میں تصدیق کرتا ہوں۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اسی بات پر آپؓ کو نبی اکرم ﷺ کی طرف سے صدیق کا لقب عطا ہوا تھا۔آپؓ کو ایک اور لقب عتیق بھی عطا ہوا تھا (نبی اکرم ﷺ کی طرف سے) عتیق کا مطلب ہے دوزخ سے آزاد۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ مکہ کے معزز سرداروں میں سے تھے اسلام کے ظہور سے پہلے سے لوگوں کے خون بہا کا فیصلہ کرنا آپؓ کے سپرد تھا اسلام قبول کرنے کے بعد آپؓ کی فہم وفراست اور نرم دلی میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔آپؓ اپنے علاقے کے متمول تاجروں میں سے تھے۔اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال اسلام کی راہ میں قربان کردیا۔آپؓ جہاں کسی کافر کے قبضے میں مسلمان غلام پر ظلم ہوتا دیکھتے تو اسے خرید کر آزاد کردیتے۔

کفار مکہ کے مظالم مسلمانوں پر بہت بڑھنے لگے حتیٰ کہ وہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ پر بھی ظلم اور زیادتی کی انتہا کردیتے۔آخر نبوت کے پانچویں سال نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی کہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی لوگوں سے اچھی طرح سے پیش آتا تھا اور کسی پر بھی ظلم وزیادتی نہ کرتا تھا۔مسلمانوں کو اجازت ملنے پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ فرمایا۔آپؓ مکہ سے نکل کر برک الغمار تک پہنچے تھے کہ قادہ قوم کا سردار مالک بن دغنہ ملا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امان دے کر مکہ مکرمہ واپس لے آیا اور تمام کفار مکہ کو کہہ دیا کہ یہ میری امان میں ہیں۔کفار نے کہا کہ ہمیں اس شرط پر منظور ہے کہ یہ گھر میں اور گھر سے باہر قرآن اونچی آواز سے نہ پڑھیں گے۔دراصل حضرت ابوبکر صدیقؓ جب نماز میں یا اس کے علاوہ اونچی آواز میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے تو باہر گلی میں سننے والے مرد وخواتین کی بھیڑ لگ جاتی اور وہ آپس میں بات کرتے تھے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہوسکتا اس وجہ سے کفار مکہ چاہتے تھے کہ آپؓ اونچی آواز میں قرآن پاک کی تلاوت نہ فرمائیں۔آپؓ نے کچھ دن ایسا کیا لیکن پھر برداشت نہ ہوسکا اور اونچی آواز سے پڑھنا شروع کیا۔محلہ کی عورتوں نے جمع ہوکر پھر سے سننا شروع کردیا۔کفار نے مالک بن دغنہ سے جاکر اس بات کی شکایت کی اور وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہنے لگا کہ اگر آپ عہد کے خلاف کریں گے تو میری امان میں نہیں رہیں گے۔اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی امان میں رہنا نہیں چاہتا۔وہ اپنی امان توڑ کر چلا گیا اور آپؓ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کفار کے تمام مظالم اور مکر کے باوجود محفوظ رہے۔

نبوت کے تیرہویں سال اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کو ہجرت کا حکم ہوا۔کفار مکہ کو علم ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ کا دروازہ

مبارک گھیر لیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کی امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد فرمائیں اور خود گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ کسی کو نظر نہیں آئے۔ نبی اکرم ﷺ اپنے گھر مبارک سے سیدھے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ ان کو ہجرت کی خبر سنائی، ساتھ میں کچھ زادِ راہ لیا اور غارِ ثور والے راستے سے جانے کا فیصلہ فرمایا اگرچہ وہ لمبا اور زیادہ پُر مشقت تھا۔ جبل ثور پر آج بھی چڑھنا آسان کام نہیں جبکہ ڈیڑھ سو صدی سے عاشقانِ رسول نے چڑھ چڑھ کر کافی راستے بنا دیئے ہیں۔ اس وقت جب ان دو مبارک ہستیوں کا قافلہ چلا تو جبل ثور پر تھوڑا چڑھنے پر نبی اکرم ﷺ کے پاؤں مبارک زخمی ہو گئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنے دوش مبارک پر اٹھایا اور جبل ثور پر چڑھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ جسمانی طور پر بہت مضبوط انسان نہیں تھے لیکن اس موقعہ کے لیے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی قسمت میں یہ سعادت لکھ دی تھی لہذا انہیں یہ قوت بھی عطا فرما دی کہ اس وقت کے لیے نبوت کا سارا بوجھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مبارک کندھوں پر تھا اور دنیا سے نبوت کے تعلق کا واحد ذریعہ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ غارِ ثور کے پاس پہنچ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبی اکرم ﷺ سے کچھ دیر کے لیے باہر تشریف رکھنے کو عرض کی اور خود اندر جا کر غار کو صاف کیا۔ غار میں جگہ جگہ چھوٹے بڑے سوراخ تھے جن سے موذی حشرات الارض کے نکلنے کا خطرہ تھا آپؓ نے اپنی قبا مبارک کو پھاڑ پھاڑ کر ان سوراخوں کو بند کیا، لیکن ایک سوراخ پھر باقی رہ گیا۔ آپؓ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی کہ آپ کچھ دیر آرام فرما لیں جب نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے پاؤں سے اس سوراخ کو بھی بند کر دیا جو کھلا رہ گیا تھا۔ اس سوراخ سے کسی موذی جانور (سانپ یا بچھو) نے آپؓ کے پاؤں مبارک کو ڈس لیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ڈسنے کی تکلیف تو بہت ہوئی لیکن نہ اپنے پاؤں یا ٹانگ کو ہلنے دیا اور نہ ہی منہ سے اف کی آواز نکلنے دی کہ اس سے نبی اکرم ﷺ کے آرام میں خلل نہ پڑے۔ لیکن تکلیف کی شدت سے آنسو نکل آئے جو حضور اکرم ﷺ کے چہرہ مبارک پر گر پڑے۔ آپ جاگ گئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے آنسوؤں کا سبب پوچھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سارا واقعہ سنایا۔ حضور ﷺ نے اپنا لعاب دہن کاٹے کی جگہ پر لگا دیا جس سے ساری تکلیف جاتی رہی۔

کفار مکہ کی وہ ٹولی جو نبی اکرم ﷺ کی تلاش میں نکلی ہوئی تھی غارِ ثور کے منہ تک پہنچ گئی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے غارِ ثور کے منہ پر ایک مکڑی نے جالا تن دیا ہوا تھا اور اتنی دیر میں ایک کبوتری نے غار کے دھانے پر اپنا گھونسلہ بھی بنا دیا کفار مکہ کی اس ٹولی نے اس خیال سے جھک کر غار میں جھانکا تک نہیں کہ اگر آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ غار کے اندر گئے ہوتے تو جالا ٹوٹ گیا ہوتا اور کبوتری بھی اپنے گھونسلے میں نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ اور ان کے پیارے ساتھی کی حفاظت کے لیے کوئی بڑے لشکر نہیں بھیجے بلکہ دو چھوٹی چھوٹی چیزوں سے ہی ان کی حفاظت فرمائی حالانکہ کفار مکہ نے اپنی طرف سے اپنے بڑے بڑے اچھے سمجھدار لوگوں کو انعام کے لالچ دے کر آپ ﷺ کی تلاش میں روانہ کیا تھا۔ جس وقت غار سے باہر وہ لوگ آپس میں باتیں اور مشورے کر رہے تھے تو غار کے اندر آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کی ساری باتیں سن رہے تھے۔ آپ ﷺ کی حفاظت کے خیال سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے گھبرائی ہوئی آواز سے فرمایا۔ یارسول اللہ وہ لوگ آگئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پریشان دیکھ کر حضور اکرم ﷺ نے اطمینان بھرے لہجے میں فرمایا: گھبراؤ نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ آپ ﷺ کا جواب سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی مطمئن ہو گئے۔

بچو! آپ کو پتہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے جواب مبارک سے ہمیں کیا پتہ چلتا ہے؟ یہ بات پتہ چلتی ہے کہ انبیاء کرام میں نبی اکرم ﷺ اور غیر انبیاء کرام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ دو ایسی ہستیاں مبارک ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر اپنی ذاتی معیت سے نوازا تھا سبحان اللہ۔ (بقیہ صفحہ نمبر 32 پر)

سائی جمیلہ

ناظم اعلیٰ کا دورہ
سپین۔ بارسلونا

آپکو کچھ اسپین کے متعلق بتا تا چلوں، ہسپانیہ یعنی کاستین، کتالان اور باسک سمیت بہت سی قدیم قوموں کا ملک ہے۔ مغرب کی جانب یہ پرتگال اور جنوب میں جبل الطارق اور مراکش جبکہ شمال مشرق میں انڈورا اور فرانس سے ملتا ہے۔ سلطنت رومہ والے اس ملک کو ہسپانیہ کہتے ہیں۔ کہ جرمن قوم واندلس سے موسوم ہے۔ اسپین میں ملک کا سربراہ بادشاہ ہے اس ملک میں پارلیمانی نظام حکومت ہے جس کے دو ایوان سینیٹ اور کانگریس ہیں۔ ملک کے تمام انتظامی امور وزیر اعظم چلاتا ہے۔ اس ملک کو انتظامی لحاظ سے 17 خود مختار علاقوں اور خود مختار شہروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ وہ ملک ہے جس پر مسلمانوں نے آٹھ سو (800) سال حکومت کی۔ 19 جولائی 711ء کو مسلمانوں کے سپہ سالار طارق بن زیاد نے بادشاہ راڈرک کو شکست دے کر اس ملک پر قبضہ کیا تھا۔ 711ء سے 1492ء تک مسلمانوں کا راج رہا۔ مگر آج اسپین کی کسی تاریخ کے نصاب میں ان آٹھ سو (800) سالوں کا کہیں ذکر تک نہیں ہے۔

ان حالات میں سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے ناظم اعلیٰ کا دورہ بارسلونا کسی انعام سے کم نہیں۔ تقریباً ڈیڑھ مہینہ پہلے ایک خوشیوں بھرا پیغام ملا کہ جناب ناظم اعلیٰ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ بارسلونا تشریف لا رہے ہیں۔ ساتھی یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ اور اپنی اپنی ذمہ داریاں خوشی سے بانٹنے لگے۔ اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئے اور آخر وہ دن آ گیا جب جناب ناظم اعلیٰ بارسلونا تشریف لے آئے۔ ہم آپ کو ائیر پورٹ پر welcome کر کے گھر لے آئے اور آپ کو چار دن کے پروگرام کی ترتیب گوش گزار کی گئی۔

جمعرات شام کو آپ بارسلونا پہنچے اور اُسی رات بارسلونہ کی پاکستانی کمیونٹی نے آپ کو welcome پارٹی دی جہاں آپ کا پاکستانی کمیونٹی سے تعارف کرایا گیا۔ جس میں بزنس مین، صحافی اور مختلف تنظیموں کے لوگ موجود تھے۔ وہاں آپ نے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا مختصر سا تعارف کرایا اور دین اور دنیا کے حوالے سے بہت خوبصورت گفتگو کی جسے سب نے پسند کیا۔

اگلے دن جمعہ کو سینٹر کی مسجد میں آپ نے 12 ربیع الاوّل کے حوالے سے خوبصورت بیان فرمایا جو حاضرین مسجد نے بڑی توجہ سے سنا۔ یہاں پر جو فیملیز رہتی ہیں آپ نے اُن کے بارے میں دین کے حوالے سے پُراثر باتیں کیں۔ بیان کے بعد آپ نے لوگوں کے سوالوں کا جواب دیا۔

آپ یورپ کا دورہ کرتے ہوئے بارسلونا تشریف لائے تھے۔ آپ تھکن اور بیماری کے باوجود لوگوں سے ملنے کے خواہشمند تھے۔ جمعہ کے بیان کے بعد آپ نے پریس کانفرنس کی اور صحافیوں کے مختلف سوالوں کے جواب دیتے ہوئے نہ ہی چہرے پر تھکن کے اثرات اور نہ بیزاری کے نظر آئے۔ میں حیران تھا کہ آپ ہر صحافی کے سوال کا تفصیلی اور جامع انداز میں جواب دے رہے تھے۔ آپ کے جواب کے بعد کسی بھی صحافی کی تشنگی نہیں رہتی تھی۔ پریس کانفرنس کے بعد آپ نے تمام صحافیوں کا شکریہ ادا کیا اور تمام صحافیوں نے بھی آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات سے ہمارے لیے وقت نکالا، اس کے لیے، ہم آپ کے مشکور ہیں۔

اس کے بعد ہم گھر پہنچے جہاں ہمارے کچھ ساتھی بڑی بے چینی سے بھائی جان کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ نے تھکن کے باوجود ان سے ملاقات کی۔ بعد میں آج کے پروگرام پر تبادلہ خیال ہوا۔ اور بھائی جان نے ہماری چند کمزوریوں کی طرف راہنمائی فرمائی اور آئندہ کے لیے کچھ ضروری ہدایات فرمائیں۔

اس کے بعد ہم نے اگلے دن کا شیڈول بھائی جان کو گوش گزار کیا۔ کھانے کے بعد ذکر کیا گیا اور پھر آپ آرام فرمانے چلے گئے۔

اگلے دن ہفتہ تھا۔ ہر روز کی طرح آپ کے ساتھ تہجد کا ذکر کیا گیا اور پھر نمازِ فجر پڑھ کر تمام ساتھی اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ دن میں آپ نے کچھ لوگوں سے ملاقات کی اس کے بعد ہم شام کو ایک ساتھی کے گھر گئے جہاں مردوں اور عورتوں کے ساتھ محفل ذکر کا پروگرام تھا۔

بعد نمازِ مغرب غلام مصطفیٰ مسجد میں آپ کا بیان تھا۔ ہم نے مسجد پہنچ کر باجماعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد بھائی جان کا تعارف کرایا گیا، پھر پروگرام کا آغاز اللہ تعالیٰ کے پاک کلام سے کیا گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں نعتوں کا ہدیہ پیش کیا گیا۔ پھر آپ نے تصوف کے حوالے سے اپنا خوبصورت بیان شروع کیا۔ سب سے پہلے آپ نے مسجد میں پڑھنے والے بچوں اور ان کے والدین کی تعریف کی کہ دیارِ غیر میں بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دلوا رہے ہیں اور ساتھ گزارش بھی کی بچوں کو مسجد بھیج کر والدین کی ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی بلکہ گھر پر بھی والدین کو بچوں کی دینی اور اخلاقی تعلیم پر توجہ دینی چاہیے۔

آپ کے بیان سے پہلے آنے والے لوگوں میں سننے کا کوئی خاص رجحان نہ تھا پر جیسے ہی آپ نے بیان شروع کیا دیکھتے ہی دیکھتے ماحول پر ایک سناٹا سا چھا گیا۔ لوگ ہمہ تن گوش ہو گئے اور ماحول پر ایک سحر کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور یہ سحر اس وقت ٹوٹا جب آپ فرما رہے تھے کہ اپنے سے بھاری وزن نہیں اٹھانا چاہیے۔ آپ نے دوسرے سلسلہ کے بزرگوں کے حوالے سے بہت اچھی بات کہی کہ سب اچھے ہیں اور کچھ اچھوں میں اچھے ہیں، ہمیں سب کی عزت کرنی چاہیے اور آپس میں اتفاق سے رہنا چاہیے۔ تمام لوگوں نے آپ کے بیان اور مشوروں کو بہت پسند کیا۔ بعد میں ہم نے عشاء کی نماز با جماعت ادا کی اور پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ آپ گھر تشرف لائے جہاں آپ نے آرام فرمایا۔

کل وہ دن تھا جس ک لیے ہم سب فکر مند تھے کیونکہ یہ بھائی جان کا ہمارے ساتھ آخری اور سب سے اہم پروگرام تھا۔ جس ہال میں پروگرام تھا اس کی تمام ذمہ داریاں مجھے سونپی گئی تھیں، جنہیں میں اپنی پوری کوشش کے باوجود پوری نہ کر سکا کیانکہ ہال کا مائیک سسٹم ٹھیک نہیں تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح سے یہ ٹھیک ہو جائے، لیکن میں ناکام رہا۔ 5:30 بجے شام کو پروگرام شروع ہونا تھا میں اور دو ساتھی چیزوں کو سیٹ کر رہے تھے جب لوگوں نے آنا شروع کر دیا۔ ایک ایک کر کے اور گروپس کی شکل میں لوگ آتے رہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہال بھر گیا۔

اس ہال میں آپ کا یہ مسلسل تیسرا پروگرام تھا اور آپ اب بارسلونا میں کسی تعارف کے محتاج نہ تھے۔

ناظم اعلیٰ کی اجازت سے پروگرام کا آغاز اللہ تعالیٰ کے پاک کلام قرآن کریم کی تلاوت سے کیا گیا۔ اس کے بعد ایک ساتھی نے آپ ﷺ کی خدمت میں نعت شریف کا ہدیہ پیش کیا۔ جناب صاحب مجاز یورپ نے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا مختصر اور جامع تعارف پیش کیا۔ اس کے بعد جناب ناظم اعلیٰ نے بعثت رحمتِ عالم ﷺ کے موضوع پر اپنا خوبصورت بیان شروع کیا۔ مائیک کی فنی خرابی کی وجہ سے مائیک بار بار بند ہو جاتا تھا لیکن جیسے ہی آپ نے بیان شروع کیا آپ یقین جانئے مائیک ایک بار بھی بند نہیں ہوا۔ آپ کا بیان شروع ہونے سے پہلے ہال کی فضاء مائیک کی خرابی کی وجہ سے عجیب سی تھی، کیونکہ مائیک کی خرابی کی وجہ سے تسلسل نہیں آ رہا تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے بیان شروع کیا اور سورہ اعراف کی کچھ آیات تلاوت فرمائیں۔ جیسے جیسے آپ بیان دیتے گئے محفل میں خوشگوار تبدیلی آتی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تبدیلی ایک ایسی کیفیت میں بدل گئی جسے الفاظ میں ڈھالنا ناممکن ہے جسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جیسے ہال میں انوارات کی بارش ہو رہی ہو۔

میں آپ سے کچھ فاصلے پر موجود تھا آپ کے پر اثر بیان سے میرے وجود کا رواں رواں کھڑا ہو گیا تھا اور ہال میں زار و قطار رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایک ایسا سماں جسے مجھ جیسا شخص بیان کرنے سے قاصر ہے۔ یہاں تک کہ آپ بھی آبدیدہ ہو گئے۔ بارسلونا میں شاید ہی کبھی ایسا پروگرام ہوا ہو، لوگوں کی یہ کیفیت تھی کہ بار بار کہہ رہے تھے کہ بہت اچھا پروگرام ہوا۔ اتنا پُر اثر پروگرام پہلے نہیں ہوا۔ اتنی توجہ پہلے نہیں ملی۔ آپ کے روح پرور بیان کے بعد بارسلونا کے امیر نے آپ کا اور حاضرینِ مجلس کا اپنے خوبصورت الفاظ میں شکریہ ادا کیا اور آپ سے دعا کی درخواست کی۔

محفل کے اختتام پر ریفریشمنٹ کا انتظام تھا جہاں آپ نے مختلف لوگوں سے ملاقات کی اور اُن کے چند سوالوں کا جواب دیا۔ اس طرح یہ بابرکت محفل اپنے اختتام کو پہنچی۔

طب　قسط نمبر 3

کیلا (Banana)

حکیم عبدالماجد اعوان سرگودھا

خصوصیات:۔(بقیہ)

12۔ہائی بلڈ پریشر کے مریض بغیر بلائی دودھ میں کیلا ڈال کر ملک شیک استعمال کریں تو اس کے لیے فائدہ مند ہے کیلے میں کیوں کہ پوٹاشیم کی بکثرت مقدار پائی جاتی ہے اس لیے یہ ہائی بلڈ پریشر میں مفید ہے۔

13۔جب بچہ چھ ماہ کا ہوجائے تو کیلے کو دودھ میں مکس کر کے روزانہ استعمال کرنے سے بچے کی نشوونما تیزی سے ہوتی ہے بچہ صحت منداور موٹا ہوتا ہے۔

14۔کیلے کے تنے کے رس میں کلیاں کرنا مسوڑوں کے امراض میں انتہائی مفید ہے۔

کیلے کے مضر اثرات:۔

کیلا ریاح اور بلغم پیدا کرتا ہے آنتوں میں سدہ ڈالتا ہے۔نفخ پیدا کرتا ہے کثرت سے اس کا استعمال معدے میں ضعف پیدا کرتا ہے قولنج پیدا کرتا ہے۔پیٹ میں سوزش پیدا کرتا ہے۔

دماغی کام کرنے والوں کے لیے ایک مفید نسخہ

ہم نے اپریل 2015ء کے شمارے میں وعدہ کیا تھا کہ ہم اپنے قارئین کے لیے اپنے مضمون کے آخر میں اپنے خاندانی نسخہ جات سے جو نسل درنسل ہمارے معمولات مطب میں رہے ہیں ہم انہیں قارئین تک پہنچاتے رہیں گے۔اس سلسلہ کی دوسری کاوش ایک ایسا ہربل فارمولا دماغی کام کرنے والوں اور ہر عمر کے مرد وخواتین، طالب علموں کے لیے انتہائی مفید ہے یہ نہ صرف قوت حافظہ کو بڑھاتا ہے بلکہ عام جسمانی کمزوری اور اعصابی کمزوری کو بھی دور کرتا ہے۔

ھوالشافی

مغز بادام 5 تولے، مغز اخروٹ 3 تولہ، مغز پستہ 3 تولہ، چہار مغز 3 تولہ، مغز چلغوزہ 3 تولہ، کاجو 3 تولہ، ناریل 3 تولہ، برہمی بوٹی 2 تولے، اسطوخدوس 2 تولے، سونف کے چاول 3 تولے، خشخاش 3 تولے، کالی مصری 15 تولے۔

ترکیب تیاری:۔

مغزیات کو جوکوب کریں زیادہ باریک نہ پیسیں، باقی اجزاء کو باریک پیس کر خشک جار میں محفوظ کریں۔

ترکیب استعمال:۔

ایک بڑا چمچ روزانہ رات کو ایک کپ نیم گرم دودھ کے ساتھ استعمال کریں مرض کی شدت میں دو چمچ تک استعمال کیا جاسکتا ہے۔

Laila-tul-Qadar. Those who observe Ramadhan, abstaining from evil, do receive the blessings of Laila-tui-Qadar, even if they are in their homes.

It is said that a believer who offers Isha prayers, in masjid, in congregation and sleeps with the intention to offer fajar prayers, in congregation, in masjid, is considered, as if praying all night. In the court of Allah(SWT) such a person is deemed as a worshipper, who had prayed, throughout the night. Hence, in Laila-tul-Qadar, such a person will also avail, its blessings.

These are the realities kept behind the veil of the Unseen, and a test in this world, which will be unveiled on the Day of Judgment. Had the auspiciousness of these matters revealed in this world, everyone would have pursued them and nobody would have remained a disbeliever. It is by Allah(SWT)'s Will that these matters are kept behind a veil, and He (SWT) has informed mankind about them, through His(SWT) Beloved Prophet(SAWS). Whosoever will trust the word of Prophet(SAWS) will attain all the blessings promised by Allah (SWT). Those who will ignore Prophet (SAWS)'s teachings will be divested of his capacity to acquire the blessings

Indeed'Faith' is a demonstration of one's trust in the Sayings and Sunnah of the Prophet(SAWS) and an absolute belief in His(SAWS) Commands. This absolute trust should be embellished, with sincerity and devotion and translate into obedience of the Prophet(SAWS).

Zikr Allah-swt ad infinitum

Hazrat Khawaja Muin-ud-Din Chishti Hajweri-rua once came to this region and remained in meditation near the tomb of Hazrat Ali Hajweri-rua in order to get Tawajjuh and barakat from Hazrat Ali Hajweri-rua. At that time when Hazrat Muin-ud-Din Chishti-rua returned to Ajmer, his-rua age was ninety years. Thereafter, he-rua remained in Ajmer for about thirty years and at the time of his-rua death his-rua age was one hundred and twenty years. Once when we were sitting with Hazrat Jee-rua, he-rua directed one of us to ask Hazrat Muin-ud-Din-rua that for how long he-rua did his lataif and the routine meditations Hazrat Muin-ud-Din Chishti-rua replied that except during the four days when I was on deathbed and was unconscious, I have done lataif for whole of my life.

This is the real meaning of these verses that whatever you do in you daily life, the focus of your primary attention should be Allah-swt's zikr and if for some reason you are unable to do so, you should start remembering Allah-swt as soon as you are free. Allah-swt's zikr is not merely the treatment for our souls it is also the food for our souls, just like oxygen. If we cannot live without oxygen, same is the case for the life of our souls which cannot live without Allah-swt's zikr. So try not to count your daily routine as sufficient but try to remember Allah-swt in every moment of your life, and make every moment of your life enlightened with the name of Allah-swt. Try to work hard for attaining such kind of attention and to achieve the degree of zikr Allah-swt ad infinitum.

Quoted

believer neither eats nor drinks, he does not listen or speak anything which is wrong. He does not see evil nor even thinks wrongfully. These are all Angelic Attributes. What is the outcome of these Angelic Attributes? The outcome is an enhancement in the believer's capacity to acquire or attain Allah's(SWT) Mercy, which is being distributed through His Beloved Prophet (SAWS). These attributes help a person to attain far more blessings than he can even dream of. Hence it is imperative to observe the rules and regulations attached with Ramadhan. Especially, when a believer observes Aitkaaf, he must be very diligent in conforming to the restrictions levied upon him during Aitkaaf as has its own rules and limitations. Before sitting for Aitkaaf it is important that a person be absolutely committed to Aitkaaf and has freed himself from all other worldly concerns. Anyone, who feels that he cannot isolate himself from his worldly affairs and has to remain in touch with his official or domestic obligations than he must not sit for Aitkaaf.

Aitkaaf is not obligatory, it is Sunnah and is like a bonus acquired after working overtime. If a person cannot dedicate his hundred percent attentions to it then it is better for him not to observe it. However, he must realize that it is a lifetime chance and he should consider himself as if he has left the world altogether and he is no more for those ten days. After all, when he will leave the world, somebody will take charge of his things in any case, so it is best to forget about the world for this period of time and concentrate only on Allah's Zikar. It is absolutely necessary to leave aside all worldly thoughts and issues, and divert all attention towards Allah (SWT) in Aitkaaf. A constant endeavor to attain maximum mercy (Rehmat) from Allah(SWT)'s perpetual Zikar of His Exalted Name and worshipping should be the course of action in Aitkaaf. A believer's responsibility is to strive hard in Allah's (SWT) Path, to work hard in seeking His Pleasure and for this he must be careful in observing the protocol of Aitkaaf and all forms of worship. It is worth remembering that our efforts are far less than what we desire to attain Allah (SWT) blesses us beyond what we had even desired or dreamt of, let alone, in any comparison with our efforts. However for this one must keep vigil over one's conduct. Another glad tiding for Aitkaaf observers is that each one of them avails the blessings of Laila-tul-Qadar, for sure. This blessed night which is in the odd nights of the last ten days of Ramadhan is to be sought fervently; and a person who spends these nights, in the masjid, in Aitkaaf, is certainly a recipient of Laila-tul-Qadar's blessings.

It is a commonly held misconception that Laila-tul-Qadar is attained by only those who experience some kind of visions or signs. It is not true beholding any sign is not mandatory, if someone is blessed with such vision it is Allah's (SWT) Grace, an additional blessing upon him. However, it does not suggest that those who see no signs or visions remain deprived. All those who spend last ten days/nights of Ramadhan, in Aitkaaf, in masjid, are certainly eligible for receiving the blessings of

AITEKAF AND ITS PROTOCOL

From Translated speech of

Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

20 July 2014

And, We have sent you (O' Muhammad SAWS) not but as mercy for the 'Alamin ('mankind, jinn, all that exists.)

It is indeed a great blessing and favor of Allah(SWT) that He has granted yet another Ramadhan in our lifetime. The third part of Ramadhan has commenced and it promises emancipation from Hell. Allah(SWT) has appointed Prophet(SAWS) as Mercy for the entire Realms (Alimeen, which includes everything except Allah) it means that His Mercy will be bestowed upon His entire Creation through Prophet(SAWS) only. He(SAWS) is the sole source of Mercy for everyone, infinitely. He(SAWS), sets the criterion of right and wrong for the mankind and also the standards of attaining Allah's (SWT) Pleasure. All forms of worship aim at a single goal, to attain Allah's Pleasure Allah(SWT) blessed mankind with Quran through Prophet (SAWS) wherein we find the do's and don'ts of worship. If we exclude Prophet(SAWS) from our life, we are left with nothing. Today, if we pray or observe Ramadhan, it is because Prophet(SAWS) taught us to do so. The beauty of the faith of a believer is measured by his unwavering trust, blended with devotion and deep love, for Prophet(SAWS).

Prophet(SAWS) gave the glad tidings about the blessings of Ramadhan the auspiciousness of its last ten days and He (SAWS) demonstrated it through His(SAWS) practice. He(SAWS) observed Aitkaaf, in Madinah, every year except for one Ramadhan and compensated it by observing a twenty day Aitkaaf in the following Ramadhan.

What is Aitkaaf?

Worshipping is based on the fact that some moments are spent exclusively in Allah's (SWT) presence, cutting off from rest of the world. In every Salat or Prayers we pronounce Allah Akbar, isolate ourselves from every one standing humbly before Allah (SWT) Exalted Court, and place our humble supplications. Allah(SWT) has given a syllabus, a course of action to be followed during fasting. Fasting aims at the promotion of angelic qualities in a believer as Angels do not eat, drink or engage in futile conversation or listen to gossip. They perform the duties assigned to them only and engage themselves constantly in Zikar (Remembrance). To inculcate these attributes in human beings ALLAH (SWT) has made fasting obligatory for the believers.

In Ramadhan during fasting a

There are two groups from my Ummah that Allah swt has spared from the Fire, a group that will attack Hindustan and the other that will be with Isa as, the son of Maryam",

Pg. 434

There is yet another tradition of Hazrat Abu Hurairah rau about Ghazwah-tul Hind:

"The Messenger saws promised us the Ghazwah-tul Hind. If I am fortunate to meet it, I shall expend my life and wealth for it. If I am killed, I shall be counted among the chosen martyrs and if I return alive, I shall be (Abu Hurairah rau) the freed from the Fire".

When the blessed Hadees about Ghazwah-tul Hind reached Hazrat Abdullah Shah-rua, he left his country without delay, and set forth for the famous kingdom of Hind, so that Allah Forbid, he may not miss participating in the Ghazwah about which the good news of entrance into Jannah without reckoning, had been announced by the Holy Prophet-saws. Such good news was announced during the blessed time of the Holy Prophet-saws either for the fortunate Sahabah Karaam rau known as the Ashrah Mubbashirah, or for the Ahl e Badr (all who participated in the Battle of Badr). and now this honour will be bestowed upon the participants of Ghazwah-tul Hind. What could be said about the extreme good fortune of the Mujahideen who will actively participate in Ghazwah-tul Hind for in every age, this had been the one desire of each of the woollen-cloaked ones whose days were spent on horseback and nights in prostration on prayer-mats.

Ghazwah is a term applied to a battle in which the Holy Prophet saws participated personally. What is astonishing about this Ghazwah is that it will take place much after the time of the Holy Prophet saws, and an even more astonishing is the fact that, the participants have been announced the good news of admission into Jannah without any reckoning. The Holy Prophet-saws also added that he-saws could feel the cool breeze from the shores of Hind.

Hazrat Abdullah Shah-rua, in a way, can be regarded as the leader of the Islamic armies of Ghazwah-tul Hind, because it is with this desire that he left his country and is now found resting on the shores of Maripur. This was the reason why Hazrat Ji-rua honoured his invitation with respect, and visited his Mazaar. It was during this tour of Hazrat Ji-rua that Ahbab asked when Ghazwah-tul Hind would take place. Hazrat Ji-rua told him',See for yourself.' Then the Ahbab noted through Mushahidah that the armies for this Ghazwah are made up of assorted nationalities. They are of disparate dress, lineage, appearance and features, but in view of the Holy Prophet-saws's declaration about Ghazwah-tul Hind, they, brimming over with the common zeal of martyrdom, are participating in it without any discrimination of race or nationality.

With reference to the Hind subcontinent, Hazrat Ji-rua also exhibited through Mushahidah, the time of Hajjaj bin Yousuf, when after Jum'ah Salah, the ground adjoining the Masjid is packed with people waving exemption applications on personal grounds, from leaving for Hindustan with Muhammad bin Qasim. Suddenly an order is passed by Hajjaj bin Yousuf to sever the heads of these people from their bodies, as they are proving to be too heavy for their necks, like dry spikes of corn. Such was the end for the hypocrites, who although are present in every age but rarely does one find a Hajjaj bin Yousuf to deal with them, and their punishment is deferred till the Day of Judgment .

been the way of the Men of God.Such was the degree of his precaution in maintaining the highest level of Taqwa that he always kept himself at a distance and well within the parameters ofthe Lawful;however, when he revealed the events which related to the Court of the Holy Prophet saws, he did it with complete certitude. This certainty of conviction is in itself, the highest proof of its soundness and integrity.

The spiritual dialogues between our Illustrious Master-saws and Hazrat Ji rua, which were published under the title of 'Mubbashiraat'(Glad Tidings) in Asrarul Haramain, are not mere disclosures but concern themselves with such esoteric and exoteric knowledge,which possess a fundamental status. The guiding principles derived from this dialogue,in whose light the issues of Shari'ah keep getting illuminated, require that they be recorded in several volumes. What was needed was that, those endowed with knowledge and the righteous scholars, should have drawn guidance from these, by comparing them with the Quran and Hadees.It is surprising that,while the spiritual disclosures of Hazrat Shah Wali Allah rua did attract debate and comment,resulting in either support or disagreement, this chapter of Hazrat Ji rua was treated with indifference by the men of wisdom.

The question is not of corroboration, which in any case, is present in the form of the Quran and Hadees. The grand Silsilah is not short of Ahbab, neither at the time of Hazrat Ji rua nor in the present time, who by their discernment and insight,have received their share from these disclosures,according to their capacity and ability. However, there does exist a general apathy to draw benefit, which will perhaps prevail, till discernment by the heart and eye becomes common, once again.

Hazrat Ji rua's momentous book Asrar ul Haramain invites the discerning, wise and sagacious to delve in it and collect the precious gems and invaluable treasure that lies hidden, in trust for them.

The invitation is open to all sagacious and discerning friends!

Chapter 25 Ghazwah-tul Hind

Hazrat Ji rua remained in Karachi from the 19th December 1970 to 24th January 1971 due to the unavailability of airline seats for Jeddah. By then, a Zikr Circle had been established at the Maripur Airbase as well. Hazrat Ji rua went to visit the Sathis at the Airbase and there somebody mentioned the Mazaar of Hazrat Abdullah Shah rua commonly called'Sahabi.'

Hazrat Ji rua turned his attention towards Hazrat Abdullah Shah rua and stated'He is not a Sahabi but a Tabi'i, and he further added',he is extending me an invitation to visit him.'It had been Hazrat Ji rua's principle never to visit the Mazaar of anyone apart from those Masha'ikh or Ahl Allah, who were his companions on his journey in Sulook. Hazrat Abdullah Shah rua of Maripur is the only personality, on whose invitation, he visited his Mazaar, along with the Ahbab. Hazrat Ji rua identified the exact position where Hazrat Abdullah Shah rua is buried in his extended grave and declared'He is taller than normal, but the grave has been, unduly lengthened towards the head. Hazrat Ji rua also added'He was among the great Aulia of his time'.Hazrat Ji rua inquired from Hazrat Abdullah Shah rua'Hazrat why did you come here'

He replied:

'I heard about the Ghazwah-tul Hind so I made my way here so as not to miss it, but when I finally reached here my last moments had arrived. There were just four men in my Janazah(Funeral prayer).'

Hazrat Soban rau, the freed slave of the Holy Prophet saws, narrates about the Ghazwah-tul Hind that

'The Messenger saws of Allah said:

Hayat-e-Javidan Chapter 24/25

A Life Eternal(Translation)

FromPreviousMonth **Fulfilment of the Haj obligation/Ghazwah-tul Hind** Continued

From Karachi,Hazrat Ji rua took the train to return home. On his short stopover at Karachi, he granted the Ahbab various gifts, Tasbeeh etc. One gentleman had his eye on Hazrat Ji rua's travel dress that it may be gifted to him. Hazrat Ji rua changed his clothes and had them put aside, at the time of departure, he called over the gentleman and specially awarded it to him. This was no mere coincidence but these incidents occurred frequently with the Ahbab.

At every large station on the way, there would be a large contingent of Ahbab waiting to meet Hazrat Ji rua; some Sathis even boarded the train and (after spending some time with Hazrat Ji rua) got off a few stations later. After Wazirabad Junction, some Ahbab from the Army also boarded the train.When the train arrived at Kharian and SaraiAlamgir, a large contingent of uniformed Ahbab were present,who ran along with the train and presented their Salaams.

In a letter from Makkah Mukarramah, Hazrat Ji-rua had informed Hazrat Ameer ul Mukarram mza that he would alight from the train at Jhelum instead of Lahore, and that he (Hazrat Ameer ul Mukarram mza)should come there with his car. When the train arrived at Jhelum, Hazrat Ameer ul Mukarram mza was waiting with the car, in which Hazrat Ji rua travelled to Chakrala.

On return from the Haramain Shareefain,Hazrat Ji-rua handed over some material to Hafiz Abdur Razzaq rua,about the events, occurrences and the spiritual dialogue, which were the sum and substance of this hallowed journey. It was published in Hazrat Ji-rua's monumental book Asrar ul Haramain in 1971.

The honour of dialogue during a spiritual attendance at the Court of the Holy Prophet saws is such a delicate topic that, even the greatest personalities did not have the courage to speak about it. In the history of Tasawwuf,many events were experienced by renowned personalities,which revolved around spiritual conversation at the Court of the Holy Prophet saws. A continuous succession of such events, and their confirmation by the Quran and Hadees, makes it unnecessary to comment on the vulgar criticism of people who want to be shown or take part in spiritual dialogue, in order to believe. To see and hear it, necessitates the possession of the relevant competency,whereas the blind and dumb can neither see nor speak.

In the recent past,Hazrat Shah Wali Allah rua amassed the courage to put to paper his spiritual dialogue with the Holy Prophet-saws and according to Allah swt's injunction'*And make mention of the favour of your Lord that He has bestowed on you*' he went as far as to state that he learnt the Quran, in one lesson after the other,from the Holy Prophet saws.Many verdicts were passed against his statement,and people whose intellectual capacity could not accommodate such profundity,simply refused.

Hazrat Ji rua too, expressed with certitude the events, spiritual feelings and observations during his attendance at Haramain Shareefainin,a detailedcommentary, which has always

Ramzan/Shawal1436H
MONTHLY
Al-Murshid
July 2015
الله
رسول
محمد
عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:
يَقُولُ اللهُ: أَخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِي يَوْمًا أَوْ خَافَنِي فِي مَقَامٍ
(سنن الترمذي، رقم الحديث 2594)
Hazrat Anas (RAU) said that the Prophet (SAWS) said:"Allah Will say' Remove form the Fire whoever remembered Me one day, or feared Me while in a state of sinning".
MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15
17-AWASIA SOCIETY COLLEGE ROAD, TOWNSHIP LAHORE
Kashf (Visual experiences) is a Divine gift, however, seeking kashf is polytheism (Shirk)

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبدالباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریباً تمام المرشد میگزین پی۔ڈی۔ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراً ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی۔ڈی۔ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255